شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات

١٢ محرم الحرام ١٣٩١ھ مطابق ١٠ مارچ ١٩٧١ع

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ | قیمت فی پرچہ ٣٥ پیسے

Rged No. L 1981
FORTNIGHTLY
Phone 22948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

معلم الانشاء

از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی

انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے، موجودہ جمہوری دور اور صحافتی و مجلسی زندگی نے اسکی اہمیت کو دو چند کر دیا ہے، دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے ارتباط و تعلق نے اسکو صرف اجتماعی و ادبی بلکہ دینی اہمیت بھی بخش دی ہے، چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے ایک ایسے سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کر سکے اور عربی مدارس میں تعلیم انشاء کا نصاب بن سکے۔

کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت ١/٧٥
حصہ دوم (" " ") " ٢/٦٣
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ٢/٥٠

الادب العربی
بین عرض و نقد

از مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔ اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔

ادب کی حقیقت * تنقید و تجزیہ * ادبی نمونے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔

(قیمت صرف چار روپے)

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی، سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں لکھا گیا تھا، اس سفرنامے سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، متنوع اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی شاخوں اور قسموں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے۔ قیمت مجلد ... روپیہ

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، ابو الحسن زید حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات۔ مجموعہ پڑھنے کے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت ...

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت و تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے، اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلے میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جگہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ... روپیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow.

پندرہ روزہ **تعمیرِ حیات** لکھنؤ

شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چندہ سالانہ: ۸ روپے۔ ششماہی ۴ روپے۔ فی کاپی ۲۵ پیسے

جلد (۸) ۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء مطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ شمارہ (۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہجرت کا بنیادی مضمون

از سعید الاعظمی ندوی

سنہ ہجری کا آغاز ہجرت کے اس عظیم الشان تاریخی واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے جو ۱۳ سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد، مسلسل اذیتوں، مشقتوں اور ہمت شکن حالات کا مقابلہ کرنے کے بعد پیش آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ جانے کے لئے تیار ہوئے۔ اہل مکہ کی عداوت آخری حد تک پہنچ چکی تھی اور وہ کسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے آپ نے ان کے شر سے بچنے کی غرض سے پہلے غار ثور میں چند دن قیام فرمایا۔ اور اسی اثناء میں زاد سفر، سواری اور رہبر کا انتظام بھی فرمالیا۔ اور ایک دن صبح کو قافلۂ ہجرت مدینہ کی طرف چل پڑا۔ اور تاریخ اسلام کے اس ٹھہرے ہوئے سمندر میں طغیانی شروع ہو گئی۔

ماقبل ہجرت کے یہ ۱۳ سال اس بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے مستحکم ہونے کے لئے ہزاروں طوفان، سیلابوں، اور طرح طرح کی گردشوں کی ضرورت پڑتی ہے، بنیاد کا پتھر مضبوط کرنے کے لئے وقت اور محنت، قربانی اور تحمل سب کچھ درکار ہوتا ہے۔ اسی لئے جس بنیاد پر وقت و محنت صرف کئے بغیر اور اس پر مصارف کا بوجھ ڈالے بغیر عمارت تعمیر کر دی جاتی ہے وہ عموماً معمولی طوفان اور جھٹکوں کو برداشت کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتی اور کسی ادنیٰ مناسبت سے اکثر منہدم ہو جاتی ہے یا کم از کم ناقابل رہائش قرار دیدی جاتی ہے۔ ہجرت کے پہلے کی مدت دراصل اسلامی تاریخ کا وہ بنیادی پتھر ہے جس نے ہزاروں طوفانوں اور زلزلوں اور طرح طرح کے جھٹکوں کو برداشت کر کے اپنا استحکام ثابت کر لیا تھا۔ اور اس پر ایک شاندار تاریخ کی بلند و بالا عمارت بے خوف و خطر قائم ہو سکتی تھی۔

ماقبل ہجرت کی سختیوں اور ان صبر آزما مصائب کے اندر جن کو بانی اسلام اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا تھا۔ ایک ایسی لازوال زندگی اور ایک ایسی شاندار فتح و نصرت مضمر تھی جس کو دنیا نے اسلامی شریعت کے نام سے پہچانا اور جس نے دیکھتے ہی دیکھتے مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا اور بے چین و مضطرب دنیا، گم کردہ راہ قوموں کو سکون و ہدایت کی دولت و دوام عطا کی۔ انسانیت کے تن مردہ میں روح پھونکی اور انسانوں کو ایک ایسا قانون فطرت عطا کیا جو ان کے تمام مسائل کا حل تھا اور جس میں ان کی سعادت و کامرانی کا راز مضمر تھا۔

ہجرت کا واقعہ اعلان تھا اس عظیم ترین کامیابی کا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عظیم تر مقصد میں بے شمار خطرات و پریشانیوں کو جھیلنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ یہ واقعہ اعلان تھا اس بات کا کہ اسلام غالب ہے اور مسلمان ہی مظفر و منصور ہیں۔ یہ حق و باطل کی جنگ میں باطل کی شکست اور حق کی کامیابی کا اعلان تھا۔ یہ کفر و شرک کی پسپائی اور توحید و رسالت کے غلبہ کا اعلان تھا۔ آوازۂ حق کی صداقت اور شیطان کی تدابیر کی ناکامی کا اعلان تھا۔ یہ انسانوں کی سعادت و فلاح اور جادۂ انسانیت سے دور بھاگنے والوں کی شقاوت و بدبختی کا اعلان تھا۔ ہجرت کا واقعہ راہ خدا میں سب کچھ قربان کر دینے اور خدا ہی کے لئے جینے اور مرنے کا اعلان تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ انسان کو خدا کی راہ میں سب کچھ چھوڑ دینے اور سب کچھ نظر انداز کر دینے کے بعد سب کچھ مل سکتا ہے اور اس سے زیادہ مل سکتا ہے جو اس نے چھوڑا یا نظر انداز کیا ہے۔

ہجرت کا واقعہ دراصل ایک مسلمان کے لئے ایک ایسی حقیقت و بصیرت کا حامل ہے جو کامیابی کا وہ موڑ ہے جہاں سے حالات کے رخ میں ایک عظیم ترین تبدیلی رونما ہوتی ہے اور تاریخ کا وہ شاندار باب شروع ہوتا ہے جو ہر دور کے انسانوں کے لئے روشنی کا مینار ہے، اور پوری انسانیت کے لئے تاقیامت امن و سکون اور حیات دوام کا پیغام ہے۔ ہجرت اخلاص و محبت، قربانی و اطاعت کا وہ معیار ہے جس کے بغیر زندگی میں کامیابی کی امید کرنا عبث اور سعادت و سکون کی توقع رکھنا فضول ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی لیکن مسلمانوں کی ہجرت یہ ہے کہ وہ گناہ و معصیت کی زندگی سے طاعت و بندگی کی زندگی کی طرف ہجرت کریں۔ وہ نفس اور شیطان کی پیروی چھوڑ کر خدا اور رسول کی پیروی کریں۔ وہ بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کی دنیا سے ہجرت کر کے نیکیوں اور بلند اخلاقی کی دنیا کی طرف آئیں۔ ان کی ہجرت یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آبائی وطن کو ترک کر کے کسی دوسرے شہر کو وطن بنا لیں اور اپنے اعزا و اقربا کو خیرباد کہہ کے دوسرے لوگوں کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منسلک ہو جائیں بلکہ ان کی ہجرت یہ ہے کہ خدا کے دین کو مستحکم بنانے، اس کی شریعت کو نافذ کرنے اور اس کے قانون کو رائج کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی دیں، منکر کو ختم کرنے، گناہوں کو نیست و نابود کرنے اور ظلم و نا انصافی کا قلع قمع کرنے کے لئے ہر طرح کی جد و جہد کریں اور نیکی کو عام کرنے، خدا کی بندگی کو بروئے کار لانے اور عدل و انصاف کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی تمام توانائیوں اور صلاحیتوں کو صرف کریں۔

ہجرت کا یہی وہ بنیادی مضمون ہے جس کے لئے یہ تاریخ وجود میں آئی اور اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ یہی تمام انسانی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے اور اس سے تمام ناقابل تسخیر طاقتوں پر قابو پایا جا سکتا ہے جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس مفہوم کو ہم جتنا ہی زیادہ اپنی زندگی میں عام کریں گے اور اجتماعی، معاشی، سیاسی اور اقتصادی معاملات میں اس کو رہنما بنائیں گے، ہماری پیچیدگیاں دور ہوں گی، ہماری پریشانیوں اور بے چینیوں کا خاتمہ ہوگا، اور ہمارے تمام الجھے ہوئے مسائل حل ہوں گے۔

عام طور سے ہم نے ہجرت کو تاریخ اسلام کے اور واقعات کی طرح محض ایک اتفاقی واقعہ سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ ہجرت کا واقعہ دراصل اسلام کی کامیابی اور اس کی سربلندی کا راز ہے، یہ وہ کلید ہے جس سے حق و انصاف کا قفل کھول گیا، اور انسانوں کے لئے ایک نئی زندگی کی راہ متعین ہوئی، اور یہ اعلان ہوا کہ آج خدا کا دین غالب آگیا۔ اور راستے کی ساری تاریکیاں اور دشواریاں دور ہو گئیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے سامنے ابوجہل و ابولہب کا پرچم کفر و ضلالت سرنگوں ہو گیا۔ توحید و ایمان کے آگے کفر و شرک کی ساری طاقتیں فنا ہو گئیں اور آج سے اسلام اور صرف اسلام انسانوں کا دین قرار پایا۔

آج اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی یہ بڑی سعادت ہوگی کہ وہ ہجرت کے واقعہ سے اس کی ان تمام خصوصیات کو مستحضر رکھیں جو اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور زندگی کے ہر مرحلہ میں اس کو مشعل راہ بنائیں اور ہجرت کے اس بنیادی مفہوم پر غور کریں تاکہ پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے اور مشکل سے مشکل تر اوقات میں اپنے اوپر قابو رکھنے کی قوت ان میں موجود رہے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان کی زندگی ہمیشہ ناموافق حالات کی زد پر ہوتی ہے، اگر اس میں یہ خصوصیات نہ ہوں، اس کی نظروں میں وہ اوصاف نہ ہوں جو ہجرت کے اوصاف سمجھے جاتے ہیں، تو وہ بہت جلد حالات

(باقی ص ۳ پر دیکھئے)

ہجرت سے پہلے

حدیث کے مجموعے اور سیرت کی کتابیں ظلم اور سنگدلی اور سفاکی و بے رحمی کے ان واقعات سے پُر ہیں جو اہل ایمان کو پیش آرہے تھے۔ حضرت بلال، عمار، خباب، مصعب، سمیہ اور ان کے دوسرے احباب و رفقاء کے واقعات سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں اور وجدان و طبع سلیم میں ظلم کی نفرت و کراہیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ قرآن مجید اور سیرت نبوی میں اس گھٹی گھٹی فضا اور سہمے ہوئے ماحول کی پوری تصویر ہے جس میں مکہ کے مسلمان زندگی گذار رہے تھے اس بوجھل اور کہر آلود فضا میں امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی، اور معاشرہ میں کوئی ایسا روزن باقی نہ تھا جس سے روشنی کی کوئی شعاع یا تازہ ہوا کا کوئی جھونکا اندر آسکتا، مسلمان دراصل چکی کے دو پاٹ کے درمیان آگئے تھے۔ یا دوسرے الفاظ میں ایک بے رحم و خونخوار درندہ کے پنجوں یا جبڑوں میں موت و زیست کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ قرآن مجید نے اپنے بلیغ طریقہ پر اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

حتی اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ

یہاں تک کہ جب ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہونچی کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اللہ کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ (سورہ براءت ۱۱۸)

عین اس وقت آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور ان اہل ایمان کے لئے قرآن مجید اصحاب کہف کا قصہ بیان کرتا ہے جس میں تنگی کے بعد کشائش، سختی کے بعد آسانی، ذلت کے بعد عزت، اور اسباب سے خارق عادت طریقہ پر نصرت الٰہی کے نزول کا ایک ایسا عجیب واقعہ پیش کیا گیا ہے جو ہر قیاس اور تجربہ کو جھوٹا ثابت کرتا ہے، اور عقل و دانش کے تمام ظاہری پیمانوں کو چیلنج کرتا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک صاحب ایمان اقلیت بلکہ مٹھی بھر نوجوانوں کو جو طاقت سے عاری اور ہتھیار سے محروم و تہی دست تھے کفر و فسق و فجور کے ایک جم غفیر اور ظلم و استبداد کے اس انسانی سمندر سے کس طرح نجات عطا فرماتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں قوت و اقتدار کی زمام تھی اور جو دولت اور طاقت کے تمام وسائل و ذخائر پر پوری طرح قابض تھا۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

قرآن کا پیام

(مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝

یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں نشانیوں میں سے ہے اور پرحکمت مضمون میں سے بیشک عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک مثل آدم کے حال کے ہے، اللہ نے ان کو مٹی سے بنایا پھر ان سے کہا کہ وجود میں آجا، چنانچہ وہ وجود میں آ گئے۔ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے سو (کہیں) تو شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ پھر جو کوئی آپ سے اس باب میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو آپ کہہ دیجئے کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے کو بھی اور تمہارے کو بھی پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔

(اے ہمارے پیغمبر!)

ذالک:۔ یعنی مجموعہ قصہ مسیح۔ اشارۂ بعید اظہار شرف و تکریم کے لئے ہے۔

من الآیات:۔ یعنی آپ کی صداقت و نبوت کا نشان ہو، یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح کے حالات و واقعات جن پر یہود اور نصرانیوں دونوں کی نادانیوں نے غلو و افراط کے گہرے پردے ڈال رکھے ہیں جو آپ قرآن کے ذریعے سے بالکل صحیح اور معتبر طور پر سنا رہے ہیں۔ یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپ مؤید من اللہ ہیں اور آپ وحی کہہ رہے ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ آپ سے کہلا رہا ہے۔

الذکر الحکیم:۔ اشارہ اس طرف ہے کہ آپ کی رسالت پر دلیل ہونے سے قطع نظر یہ مضامین بجائے خود بھی پر حکمت و پر معرفت ہیں۔

اسی طرح عیسیٰ ابن مریم بشر محض اور حادث و مخلوق ہیں الٰہیت شریک اور غیر مخلوق کس طرح مان رہی ہو۔

کمثل:۔ مثلیت کس لحاظ سے ہے؟ بشر محض ہونے اور بغیر باپ کے پیدا ہونے میں ہے۔

آدم تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے اور پھر بھی بشر محض تھے۔

[illegible] حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے کی طرف ہے۔ یہ جواب ہے اس مشہور مسیحی شبہ کا کہ جب مسیح کی پیدائش ساری دنیا کے نام ضابطہ کے خلاف بغیر باپ کے تو مسلّمے ہوئی تو وہ یقیناً فوق البشر ہے، بغیر باپ کے پیدا ہونے والا ہے۔ یہ جواب ہے کہ آدم کو بشر تو تم خود تسلیم کرتے ہو حالانکہ ان کی پیدائش تو عجیب تر تھی یعنی ماں باپ دونوں میں سے کسی کا بھی توسط نہ تھا۔ مخلوق ہونے اور حادث ہونے کا دار و مدار کسی خاص دقیقین طرز ظہور و وجود پر نہیں، مطلق حدوث پر ہے اور وہ آدم نیز عیسیٰ میں پوری طرح موجود تھا۔

مسیحیوں میں ایک فرقہ ایریَن (Arians) ہوا ہے۔ اس کا بانی (Arius) جو چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں اسکندریہ کا لاٹ پادری تھا۔ اس کی تعلیم یہی تھی کہ مسیح قدیم و غیر مخلوق و حادث ہیں (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۵۰ طبع چہاردہم)

اس سے قبل الیطیرک (الطاکیہ) کے لیتراتی پال (مشہور و معروف پولوس طرسوسی سے الگ) کی تعلیم تیسری صدی عیسوی میں یہی تھی کہ جیسے مسیح کی پیدائش ایک دوشیزہ کے بطن سے ہوئی تھی۔ بواسطہ روح القدس، اس لئے وہ بشر محض تھے۔ روح القدس کے توسط نے انھیں بھی مقدس بنا دیا تھا۔ اور اس لئے وہ مسیح تھے لیکن شریک الوہیت بہرحال نہ تھے (ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۹۸ نیز انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱ صفحہ ۱۷)

مسیحیوں کے صاحب فہم طبقہ میں برابر اس طرح کی تحریکیں صحیح عقیدہ کی اٹھتی رہتی ہیں لیکن کلیسا کے عام جمود و تعصب نے کبھی ان اصلاحی تحریکوں کو عام اور سرسبز ہونے دیا۔

کن فیکون:۔ ہوسکتا ہے کہ ابھی کن تکوین ہو اور مراد یہ ہو کہ جس وقت ارادۂ الٰہی کسی وجود کی طرف کیفیتاً متوجہ ہوتا ہے فوراً اس کو تکوین ہو جاتی ہے۔

(اس حقیقت کے باب میں اے مخاطب!)

قرآن مجید میں خطاب بصیغۂ واحد اور کہیں براہ راست رسول اللہ صلعم سے ہے اور کہیں مخاطب عام افراد امت ہیں۔ اور ضمیر واحد دونوں کے لئے یکساں و مشترک ہے۔ دونوں کے درمیان فرق و امتیاز مفسر کے ذوق پر منحصر ہے۔ ان سطور میں زیادہ سے زیادہ اتباع مفسر تھانوی کے ذوق کا کیا گیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسول اللہ صلعم سے ہے لیکن مراد آپ کی امت ہے اس لئے کہ خود آپ سے تو اس کا احتمال ہی نہ تھا۔

الحق من ربک:۔ یہ حقائق پروردگار عالم کی طرف سے بیان ہو رہے ہیں۔ اس لئے شک و شبہ کی گنجائش سے بالاتر ہیں۔

فقہائے مفسرین نے آیت سے قیاس شرعی کی صحت پر استدلال کیا ہے۔

(اے پیغمبر!)

فیہ:۔ یعنی ربوبیت والوہیت مسیح کے باب میں

تفسیر سورۃ کے شروع میں جو حاشیہ ہیں انھیں ایک بار پھر نظر میں لے آیا جائے سورہ کی اصلی موضوع مسیحیت اور عقیدۂ الوہیت مسیح کا رد ہے۔ گفتگو نجران کے مسیحی وفد سے چل رہی ہے۔

فمن حاجک:۔ یعنی ان مسیحیوں میں سے اب بھی کوئی آپ سے اپنی سخن پروری جاری رکھے۔

العلم:۔ اور علم بھی کیسا؟ ظنی و تخمینی نہیں حتمی، قطعی، یقینی۔

(یہ طور اتمام حجت کے اب جب کہ زبانی افہام و تفہیم اور دلائل کے سارے مرحلے ہو چکے اور مسیحی اپنی بات کی پچ پر اڑے ہوئے ہیں)۔

اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں مباہلہ ہے۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تضرع و ابتہال کے بعد اسی کے فیصلہ کا منتظر رہتا ہے۔

ندع:۔ ضمیر متکلم سے مراد ہر دو فریق اور ان کے افراد ہیں۔

ابناء:۔ سے محض صلبی ہی بیٹے مراد نہیں، پوتے نواسے، داماد وغیرہ سب اس میں آجاتے ہیں۔

امام رازی نے لکھا ہو کہ آیت سے اس امر پر استدلال ہو سکتا ہے کہ نواسے پر ابن (بیٹے) کا اطلاق جائز ہے۔

نساء:۔ بیویاں اور بیٹیاں دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ۹ھ ہجری میں مسیحیان نجران کے چودہ اکابر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ گفتگو الوہیت مسیح کے مسئلہ پر رہی۔ اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا لیکن مسیحی نمائندے اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر کار آپ نے وہی کیا جو ایک سچا اور مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا۔ آپ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دیدی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے خاص افراد کو لے کر اپنے پروردگار سے بہ تضرع و الحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق [illegible]

(باقی ص ۱۳ پر دیکھئے)

سورۂ ہود اور ہماری زندگی

عبدالمجید اصلاحی

سورۂ ہود اور اس کی مماثل سورتوں میں آخر وہ کون سی بات ہے جس نے آنحضور کو اس حد تک فکرمند بنا دیا تھا کہ آپ قبل از وقت بوڑھے ہو گئے؟ قبل اس کے کہ ہم اس بات کی تحقیق کریں تھوڑی دیر توقف کر کے ذرا آنحضور کی اس شفقت، بے پایاں محبت، اور دلسوزی کو چشم تصور میں لائیں جو آپ کو اس امت سے تھی۔ اور پھر اپنے ان لوگوں کے حال پر بھی نظر ڈالیں جو علم نبوت کے حامی اور مسند نبوی کے جانشین ہونے کا فخر رکھتے ہیں۔ مگر جن کے لیل و نہار امت کے اس انجام پر غور و فکر کی فرصت نہیں دیتے۔

سورہ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں مثلاً والضحیٰ اور الحجرات وغیرہ کے اندر امت پر پیش ہونے والے حالات و واقعات کی جانب اشارہ ہے۔ اور ان حالات کے اندر امت کو رہنمائی دی گئی ہے۔ اس اشارے کو سمجھنے کے لئے اور مطالعہ قرآن کے لئے بھی یہ حقیقت نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ قرآن کے اندر بے شمار مقامات پر آنحضور کے واسطہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آں حضور امت کے سربراہ، وکیل اور ترجمان ہیں۔ جہاں اس طرح کے خطابات موجود ہیں ان کی نوعیت نہ سمجھنے کے باعث ذہنوں سے قرآن کی وہ باتیں مخفی ہو جاتی ہیں جن کی جانب وہ ہمیں اشارہ دے رہا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی ایک کھلی مثال سورۃ الانعام کی حسب ذیل آیات ہیں۔

(۱) وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَإٍ مُسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ۔

(۲) وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَٰكِنْ ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔

اور تیرے لوگوں نے اسے جھٹلایا حالاں کہ یہ حق ہے کہہ دو کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہر خبر کا ایک وقت ہوتا ہے۔ عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا۔

اور جب لوگوں کو دیکھو کہ ہماری آیات میں نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان سے اعراض کرو حتیٰ کہ ان کے انہماک کا موضوع بدل جائے۔ اور اگر اتفاق سے شیطان اعراض کرنا فراموش کرا دے تو یاد پڑنے کے بعد پھر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو اور جو لوگ متقی ہیں ان پر ان لوگوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بس صرف یاد دہانی مقصود ہے شاید کہ ان کے اندر بھی تقویٰ پیدا ہو جائے۔

پہلے فقرے کے اندر خطاب آں حضور کو ہے۔ مگر دوسرے فقرے کے اندر خطاب بظاہر آں حضور کو ہے مگر مراد امت ہے۔ اس کا سب سے بڑی دلیل خود اسی فقرے کے اندر آیا ہوا ٹکڑا وما علی الذین یتقون من حسابہم من شیء موجود ہے اسی مفہوم میں سورۃ النساء کے اندر آیا ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ

اور اس نے تم لوگوں کو کتاب میں خوب اچھی طرح بتا دیا ہے کہ جب اللہ کی آیات کا انکار اور ان کے ساتھ مذاق کی باتیں سنو تو ان کے ساتھ اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک ان کے انہماک کا موضوع گفتگو بدل نہ جائے۔ ورنہ تم بھی انہیں جیسے قرار پاؤ گے۔

یہاں خطاب جمع کا ہے۔ دونوں خطابوں میں بات ایک ہی کہی گئی ہے۔ مگر ایک جگہ واحد اور دوسری جگہ جمع ہے۔

علاوہ ازیں دوسری اہم حقیقت قابل لحاظ ہے کہ آں حضور اپنی امت کے حالات کا آئینہ ہیں از بعثت تا ہجرت و وفات جن جن حالات سے آپ گزرے ہیں انھی حالات سے امت بھی گزرے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت تک آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے آپ کی نبوت کو ابدی اور دائمی بنانے کی صورت اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی کہ امت آپ سے بالکل پیوست کر دی جائے پس آپ امت سے الگ ہیں اور نہ امت آپ سے جدا ہے۔ لہٰذا امت کا بحیثیت مجموعی دین کے نبوی موقف سے ہٹنا، اللہ کو فراموش کرنا، خواہشات کے اندر ڈوب جانا اور پھر اللہ تعالیٰ کی جانب مائل ہونا، نماز کی پابندی، صبر و استقامت اور دعا و استغفار وغیرہ اسے عہد نبوی کے مختلف ادوار و مراحل میں تقسیم کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کو اس ایک مشہور آیت کی روشنی میں معلوم کیجئے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرہ)

اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے اور رسول تمہارے سامنے گواہ رہے۔

اس آیت سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ شعائر الٰہی (قرآن، خانہ کعبہ، صراط مستقیم) کے داعی جس طرح آنحضور تھے اسی طرح آپ کے بعد آپ کی امت بھی ہمیشہ کے لئے اس کا داعی منتخب ہو چکی ہے۔ اس امت کے علاوہ اس پیغام کی علمبردار قیامت تک کوئی دوسری امت نہ ہوگی۔ اسے خانہ کعبہ کی صراط مستقیم ہمیشہ کے لئے بخشی جا چکی ہے جو ملت ابراہیمی کے مرکز ہونے کے علاوہ یہودیت و نصرانیت یا افراط اور تفریط کے درمیان اعتدال و توازن کی ایک ابدی علامت بن چکا ہے۔ لہٰذا آں حضور کو امت سے علٰحدہ یا امت کو آں حضور سے الگ کوئی دوسری شے تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس حقیقت کے پیش نظر مطالعہ قرآن کے وقت صاف محسوس ہوتا ہے کہ جہاں کہیں بھی خطاب واحد کی صورت میں آتا ہے وہاں بالعموم آں حضور کے ساتھ امت بھی شریک ہوتی ہے۔ یہاں یہ سمجھنا کہ خطاب صرف آں حضور ہی کو ہے شدید غلطی ہے جس سے قرآن پاک کے ارشاد و رہنمائی کی وہ باتیں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ جو اس نے مخصوص حالات کے اندر امت کو دی ہیں۔

اب آئیے سورہ ہود اور دیگر سورتوں کے مضامین پر اجمالی نگاہ ڈال کر اس حقیقت کو تلاش کریں جس نے آں حضور کو قبل از وقت بوڑھا کر دیا تھا۔

سورۂ ہود، حجرات اور سورہ والضحیٰ میں پہلی اور آخری سورتیں مکی اور سورہ حجرات مدنی ہے۔ ان کا تجزیہ کر کے بنیادی مضامین معلوم کیا جائے تو نظر آئے گا کہ سورہ ہود کے اندر مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تعلیم اور کفار مکہ کے خلاف وعدۂ نصرت کے علاوہ ظالمین سے بے تعلقی کی ہدایت دی گئی ہے۔ حجرات کے اندر مدد و نصرت کے علاوہ فتح و کامرانی کی نوید دی گئی ہے اور سورہ والضحیٰ کے اندر کار نبوت کی اہمیت و عظمت اور نجاست و دنیا پرستی سے دور رہنے کی ہدایت ہے دونوں مکی سورتوں کا مضمون صاف بتاتا ہے کہ انکی بنیادی تعلیمات پر عمل کرتے رہنے سے وہ وقت بھی آسکتا ہے جب فتح و نصرت کی امت پر نوازش کی جا سکتی ہے۔ اور مدنی سورہ اس نوازش کی حفاظت کے لئے مفاسد اور اسباب مفاسد کا سدباب کرتی ہے۔

سورہ ہود کے اندر حسب ذیل آیات ملتی ہیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ۝ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ۔

مذکورہ بالا آیت کے اندر حسب ذیل باتیں بالکل واضح ہیں۔

(باقی ص [illegible] پر دیکھئے)

خدا کا وجود

عقل کی نظر میں

از محمد شہاب الدین ندوی

جدید سائنسی تحقیقات کی بدولت وجود خداوندی کے بے شمار دلائل منظر عام پر آچکے ہیں۔ مگر عہد اسلام میں علمائے کرام نے اس موضوع پر غور و فکر کرکے جو دلائل قائم کئے تھے وہ بھی بڑے محققانہ اور معرکۃ الآرا ہیں۔ جن کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔ چنانچہ اس موقع پر میں ان دلائل کی ایک جھلک پیش کرتا ہوں جو تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۱۰۱ سے ماخوذ ہیں۔

۱:- امام اعظم ابو حنیفہؒ الحاد و بے دینی کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک مسجد میں آپ کو تنہا پاکر چند ملحدین ننگی تلواریں سونتتے ہوئے اندر گھس آئے۔ جو کسی ایسے ہی موقعہ کی تاک میں تھے۔ مگر آپ نے ذرہ برابر بھی خائف ہوئے بغیر کہا۔ ذرا ٹھہر جاؤ! پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے دو پھر تمھیں اختیار ہے کہ جو چاہو کرو ملحدین نے کہا اچھا جو کچھ تمہیں کہنا ہے کہہ لو۔ آپ نے فرمایا کہ کیا خیال ہو تمہارا اس شخص کے بارے میں جو کہتا ہو کہ ہر قسم کی چیزوں سے بھرا ہوا اور مختلف سامانوں سے لدا ہوا ایک جہاز ہے جو بے کراں سمندر کا سینہ چیرتا اور طوفانی موجوں کا مقابلہ کرتا چلا جارہا ہے جس میں نہ کوئی ملاح ہے اور نہ کوئی کپتان بلکہ وہ بغیر کسی نگراں اور منتظم کے خود بخود رواں دواں ہے۔ کیا ایسے شخص کی بات عقل کی سمائی میں آسکتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ بالکل نہیں۔ اس بات کو عقل کبھی قبول نہیں کرسکتی۔ پس آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! جب کسی ایسے جہاز کا خود بخود رواں دواں ہونا خلاف عقل ہے جس کا نہ تو کوئی ملاح ہو نہ نگراں، تو پھر اتنی بڑی دنیا کا وجود اور اس کی تمام نیرنگیوں کا بغیر کسی خالق و ناظم اور مدبر و منتظم کے قائم و دائم و جاری و ساری رہنا کیسے ہوسکتا ہے؟ اور یہ بات عقل کی سمائی میں کس طرح آسکتی ہے؟ یہ سن کر تمام [illegible] کرلیا۔ پھر سب نے آپ [illegible] ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

۲:- حضرت جعفر صادقؒ کے روبرو ایک دہریہ نے وجود باری کا انکار کیا تو آپ نے اس سے پوچھا کیا تجھے کبھی سمندری سفر کرنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں بارہا ایسا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تجھ کو کبھی کوئی بحری حادثہ بھی پیش آیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ تیز و تند ہوائیں چلنے لگیں تھیں جس کے باعث ہماری کشتی کے پرخچے اڑ گئے نتیجہ یہ ہوا کہ کشتی پر سوار تمام مسافر ملاحوں سمیت غرق ہوگئے اتفاق سے میرے ہاتھ ایک تختہ لگ گیا اور میں طوفانی موجوں کی تلاطم خیزیوں سے بچ کر ساحل تک پہونچنے میں کامیاب ہوگیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ پہلے تمہارا اعتماد کشتی اور ملاح پر تھا پھر تختے پر رہا۔ فرض کرو کہ تمہارے ہاتھ کوئی تختہ نہ لگتا اور بچ نکلنے کی کوئی صورت موجود نہ ہوتی تو کیا تم اس وقت بھی اپنی سلامتی کی توقع رکھ سکتے تھے؟ اس نے کہا کہ ہاں میں اپنی سلامتی کی توقع کرسکتا تھا؟ آپ نے پوچھا کس سے؟ تو وہ لاجواب ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم جس سے اپنی سلامتی کی توقع رکھتے تھے وہی خدا ہے اور اسی نے تم کو نجات سے ہمکنار کیا ہے۔ اس مباحثہ کے بعد وہ شخص ایمان لے آیا۔ واضح رہے کہ امید و رجاء انسانی فطرت کا خاصہ ہے جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ مشکل اور مصیبت کے وقت بے ساختہ خدا یاد آجاتا ہے؟ (خواہ وہ کتنے ہی کٹر ملحد اور بیدین ہی کیوں نہ ہو۔)

۳:- امام شافعیؒ سے ایک مرتبہ لوگوں نے وجود باری کا ثبوت مانگا تو آپ نے بڑی معرکۃ الآرا اور سائنٹفک قسم کی دلیل بیان کی۔ فرمایا کہ دیکھو ایک چھوٹی سی مثال پر غور کرو۔ شہتوت کے پتے کا رنگ روپ اور خوبو وغیرہ بالکل یکساں ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ جب اس کو ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ابریشم نکلتا ہے۔ شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد برآمد ہوتا ہے ہرن کھاتا ہے تو مشک بن جاتا ہے۔ اور بکری کھاتی ہے تو مینگنی ہوجاتی ہے۔ چیز ایک ہے مگر وہ مختلف معدوں میں پہونچ کر مختلف کرشمے دکھاتی ہے۔ پس وہ کون ہے جو یہ سارے عجوبے دکھلا رہا ہے؟

۴:- امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ایک دوسری مرتبہ اسی سلسلہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس طرح استدلال فرمایا کہ ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کے ہاں بیٹا ہو مگر اس کے برعکس اس کے بیٹی ہوجاتی ہے۔ یا کوئی چاہتا ہے کہ اس کے ہاں بیٹی ہو مگر اس کی خواہش کے خلاف بیٹا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا کائنات میں کوئی ایسی ہستی ضرور موجود ہے جو سب پر اپنی حکمرانی اور فرمانروائی چلا رہی ہے۔

۵:- خلیفہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے وجود باری کی دلیل پوچھی تو آپ نے بنی نوع انسان کی شکلوں، صورتوں، آوازوں، لہجوں اور ان کی مختلف زبانوں سے استدلال کیا۔ یعنی اگر خدا کا وجود نہ ہوتا تو پھر تمام لوگوں کی شکل و صورت، رنگ روپ، قد و قامت، عادت و اطوار، بو باس اور لہجہ آواز وغیرہ سب باتوں میں یکسانیت و مشابہت ہوتی اور کسی دو آدمیوں کے درمیان فرق و امتیاز کرنا سخت مشکل ہوجاتا۔ جیسا کہ حیوانات و نباتات میں یکسانیت کے باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا انسانی زندگی کے یہ مختلف مظاہر اور رنگا رنگیاں وجود باری اور رحمت خداوندی کا بڑا شاندار نمونہ ہے۔ اور زبردست ثبوت ہیں۔

۶:- امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ ایک گول گنبد نما اور مضبوط و چکنا قلعہ اس طرح ہے کہ اس میں کہیں بھی کوئی شگاف یا سوراخ موجود نہیں ہے۔ اس کا اوپری حصہ پگھلی ہوئی چاندی کی طرح شفاف اور اندرونی حصہ سنہرا ہے (یعنی انڈا) پھر اس بند قلعے کی دیواریں شق ہوجاتی ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اندر سے ایک ایسا چوزہ برآمد ہوجاتا ہے جو خود بخود دیکھ سن سکتا ہے۔ پس وہ کون ہستی ہے جو ان مردہ اور بے جان اجزا میں روح پھونک کر اس بند قلعہ کو توڑ دیتی ہے۔؟

۷:- ایک عربی شاعر کے چند اشعار کا ترجمہ ہے:-
دنیائے نباتات کی رنگا رنگیوں کو دیکھو مالک حقیقی کی گل کاریوں اور رعنائیوں پر نظر ڈالو۔ ایسا لگتا ہے کہ چاندی روپہلے چمنوں میں نقرئی کلیاں نمودار ہوگئی ہیں جو زمردی شاخوں میں جھوم رہی ہیں قدرت کی ان بے مثال صناعیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالق کائنات کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے ورنہ اس قدر تنظیم اور حسن کاری ممکن نہ ہوتی۔

۸:- ایک اعرابی نے کہا کہ اونٹ کی مینگنی کا وجود اونٹ کے وجود کی دلیل ہے۔ لید گدھے کے وجود کا ثبوت ہے۔ نشانات پا کسی انسان کی موجودگی کی خبر دیتے ہیں تو کیا یہ برجوں والا نیلگوں آسمان، سبزہ زاروں سے بھرپور یہ دھرتی اور یہ تلاطم خیز سمندر کسی خالق و صناع اور مدبر و منتظم کے وجود کی شہادت نہیں ہیں۔؟

تعمیر حیات

ملکیت کے بارے میں بیان۔ فارم نمبر ۴

اخبار کے رجسٹریشن (مرکزی) قواعد ۱۹۵۶ء کے قاعدہ نمبر ۸ کے تحت حکومت ہند کی وزارت اطلاعات و نشریات کا مطلوبہ بیان ملکیت و دیگر تفصیلات

۱۔ مقام اشاعت	لکھنؤ
۲۔ وقفہ اشاعت	پندرہ روزہ
۳۔ پرنٹر، پبلشر و اڈیٹر کا نام	محمد الحسنی
۴۔ قومیت	ہندوستانی
۵۔ پتہ	۲۷ گوئن روڈ لکھنؤ
۶۔ مالک شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	

میں (محمد الحسنی) اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے صحیح ہیں

محمد الحسنی مارچ ۱۹۶۱ء

ذکر و میلاد کی محفلوں میں

ہمارے قدیم معاون اور تعمیر حیات نکلنے کے پہلے دن سے پرجوش داعی جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب ندوی کے والد بزرگوار کا پچھلے ماہ ایک معمولی علالت کے بعد انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارہ تعمیر حیات موصوف کے اس غم میں دل سے شریک ہے اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے امید ہے کہ ناظرین کرام — بھی دعائے مغفرت میں شریک ہوں گے۔ یہ مضمون بھی اسی تازہ غم کے تاثر کا نتیجہ ہے۔

(ادارہ)

کون نہیں جانتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اس سے بڑھ کر نہ کوئی داستان ہے نہ تذکرہ نہ وعظ نہ بیان۔ پروردگار عالم نے خود فرمایا ہے "ورفعنا لک ذکرک"۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف ذکر ہی پر اکتفا کرے اور وہ بھی چند مخصوص قسم کی روایات کو سال کے کچھ مخصوص دنوں میں صرف زبانی دہرا لیا کرے اور اس کے علاوہ نہ وہ رسولؐ کی کسی بات کی پرواہ کرے نہ کسی حکم اور کسی فرمان کی یہاں تک کہ اپنے تمام حقوق و فرائض سے بھی صرف نظر کرلے تو ظاہر ہے کہ یہ نرا ذکر سود مند نہیں ہوسکتا (نعوذ باللہ) اسلئے نہیں کہ رسول کا ذکر بے سود ہے بلکہ صرف اس لئے کہ ذکر کی جو اصل روح ہے اس کو اس نے نظر انداز کردیا۔

ایک مثال کے ذریعہ اس کو یوں سمجھئے ایک شخص ہر جو مجمع عام میں تو اپنے باپ کی تعریف کرتا ہے اس کی شان میں قصیدہ پڑھتا ہے۔ لیکن نہ گھر وہ اس کی اطاعت کرتا ہے نہ فرماں برداری' باپ کہتا ہے بیٹا اٹھو پانی دو، وہ کہتا ہے یہ کیا میرے نزدیک ادائے حق نہیں، میں نے آپ کی بہت تعریفیں کردی ہیں، قصیدہ پڑھ دیا ہے اب اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں فرمانبردار اور اطاعت شعار ضرور ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھ پر حکم لگائیں اور میں اس کو بجا لاؤں۔

ظاہر ہے کہ کوئی سلیم العقل انسان ایسے شخص کو نہ اطاعت گذار کہے گا نہ فرمانبردار چاہے وہ اپنے آپ کتنا ہی اطاعت شعار اور خدمت گذار کیوں نہ بنے۔

رسولؐ کا عشق اور رسولؐ کی محبت تو بہرحال ماں باپ کی محبت سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین"، لیکن کوئی شخص اس کے باوجود صرف زبانی یا تحریری فضائل و مناقب بیان کرنے ہی پر اکتفا کرتا ہے اور نہ وہ رسولؐ کے کسی حکم کی پرواہ کرتا ہے نہ کسی فرمان کی اور الٹے یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ مجھ سے بڑھ کر رسولؐ کا کوئی عاشق نہیں اور میرے یا میری مخصوص جماعت کے سوا جتنے بھی رسولؐ کے نام لینے والے ہیں سب جھوٹے اور بے ایمان ہیں تو ایسے شخص کے پاگل ہونے میں کس کو شبہہ ہوسکتا ہے۔

لیکن کیا کیجئے آج اسی پاگل پن کی دھوم اور اسی کی مانگ ہے۔ نہ رسول کے کسی حکم کا مطلب نہ کسی فرمان سے، بے ایمانی ہو، بددیانتی ہو یا حرام خوری کا کوئی اور طریقہ اس سے کوئی گریز نہیں بس گیارھویں، بارھویں یا سال کے کچھ اور مخصوص دنوں میں دھوم دھام سے ایک محفل منعقد کرلی گئی اور اس میں سوز و گداز کے کچھ اشعار پڑھ لئے گئے بس سمجھ لیا گیا کہ رسولؐ کی محبت کا جو حق تھا ہم نے اس کو ادا کردیا۔ نعوذ باللہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہوگیا کہ با ایں ہمہ روسیاہی و سیہ کاری آپؐ ہماری شفاعت کریں اور جس طرح بھی ہو ہمیں جنت تک پہونچائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معصیت سے ریاکاری سے حرام خوری سے سخت بیزاری اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے مگر ذکر کی کسی محفل میں چلے جایئے آپ کو اس کا تذکرہ نہیں ملے گا، آپؐ نے ساری رات جاگ کر عبادت کی ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ایک بار ساری رات گذر گئی صرف اس آیت کی تلاوت میں۔ "ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم"

لیکن ذکر کی محفلوں میں بیان ہوگا تو صرف اس بات کا کہ آپؐ کا نور کب پیدا ہوا، کب آپؐ کی والدہ کے اندر گیا اور کب ولادت شریف ہوئی اور اس وقت کیسے کیسے معجزات رونما ہوئے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرے مذہب والوں نے آپؐ کے بارے میں کیا کہا مختصر یہ کہ ربیع الاول کی محفلوں میں آپ کو اور سب کچھ ملے گا مگر نہیں ملے گا تو صرف یہ کہ آپؐ نے امت کو کیا پیام دیا، کس چیز کا حکم دیا اور کن باتوں سے روکا —

یعنی باتیں صرف ایسی کہی جائیں گی جن سے نہ اپنے اوپر کوئی ذمہ داری عائد ہو نہ کچھ کرنے کرانے کی نوبت آئے سبحان اللہ کیا عشق ہے کہ سالانہ یا ماہانہ مجمع اکٹھا کیا جاتا ہے، شیرینی منگائی جاتی ہے، بجلی کے قمقموں اور کاغذ کے پھولوں سے اسٹیج آراستہ کیا جاتا ہو تب کہیں ریشم یا مخمل کے مسند پر بیٹھ کر ہائے ہو کی صدا بلند کی جاتی ہو اور اس میں بھی ایسی ایسی دور از کار بحثیں کی جاتی ہیں کہ جن کا نہ زمین سے کوئی تعلق ہے نہ آسمان سے بعض بعض مجالس میں تو ذکر ہی کے نام تکفیر کا لنڈو بھی بٹتا ہے اور اس فراوانی کے ساتھ جیسے حلوائی کی پوری دوکان ہی الاٹ کرلی گئی ہو۔

دنیا کا طریقہ تو یہ ہے کہ جس سے عشق ہوتا ہے نہ صرف اس کی باتوں ہی پر عمل کیا جاتا ہے بلکہ اس کے اشاروں پر بھی جان دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دور کیوں جایئے خود صحابہ کرامؓ کی سیرت مبارکہ ہمارے سامنے ہے۔ کس طرح انھوں نے آپؐ کے ایک ایک اشارہ پر اپنی جانیں قربان کیں کس کو نہیں معلوم۔ مثال کے طور پر ہجرت ہی کے واقعہ کو لے لیجئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے ساتھ جب غار تک پہونچتے ہیں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روک کر پہلے اندر جاتے ہیں اور اپنے کپڑے پھاڑ کر تمام سوراخ بند کرتے اور جو باقی رہ جاتے ہیں ان میں اپنا پیر اڑا دیتے ہیں کہ مبادا نہ ہو کہ کوئی موذی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہونچ جائے۔ یہی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے آپؐ ان کو اپنے زانو پر سلاتے ہیں اور پیر میں سانپ کاٹ لیتا ہے تکلیف ناقابل برداشت مگر حرکت تک نہیں کرتے کہ سرکار کی نیند میں خلل نہ واقع ہوجائے۔

مگر یہی حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوجاتی ہے اور بڑے بڑے لوگوں کے حواس درست نہیں رہتے تو آپ لوگوں کو تسلی دیتے اور اپنے خطبے میں لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں کہ من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت اور انک میت وانہم میتون اور افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔ اللہ اکبر یہ عشق کہ ساری زندگی ہی ان پر قربان ہے چاہے وہ سامنے ہوں یا آنکھوں سے پردہ فرما چکے ہوں۔

ہم بھی کتنے ہی رسولؐ کے عشق کا دم بھرنے والے جن کو یہ نہیں معلوم کہ امت کے تمام اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں کوئی اگر شراب پیتا ہے رشوت لیتا ہے فسق و فجور میں مبتلا ہے

(باقی ص ۱۳ پر دیکھئے)

کرتے رہنا ہی کامیابی ہے

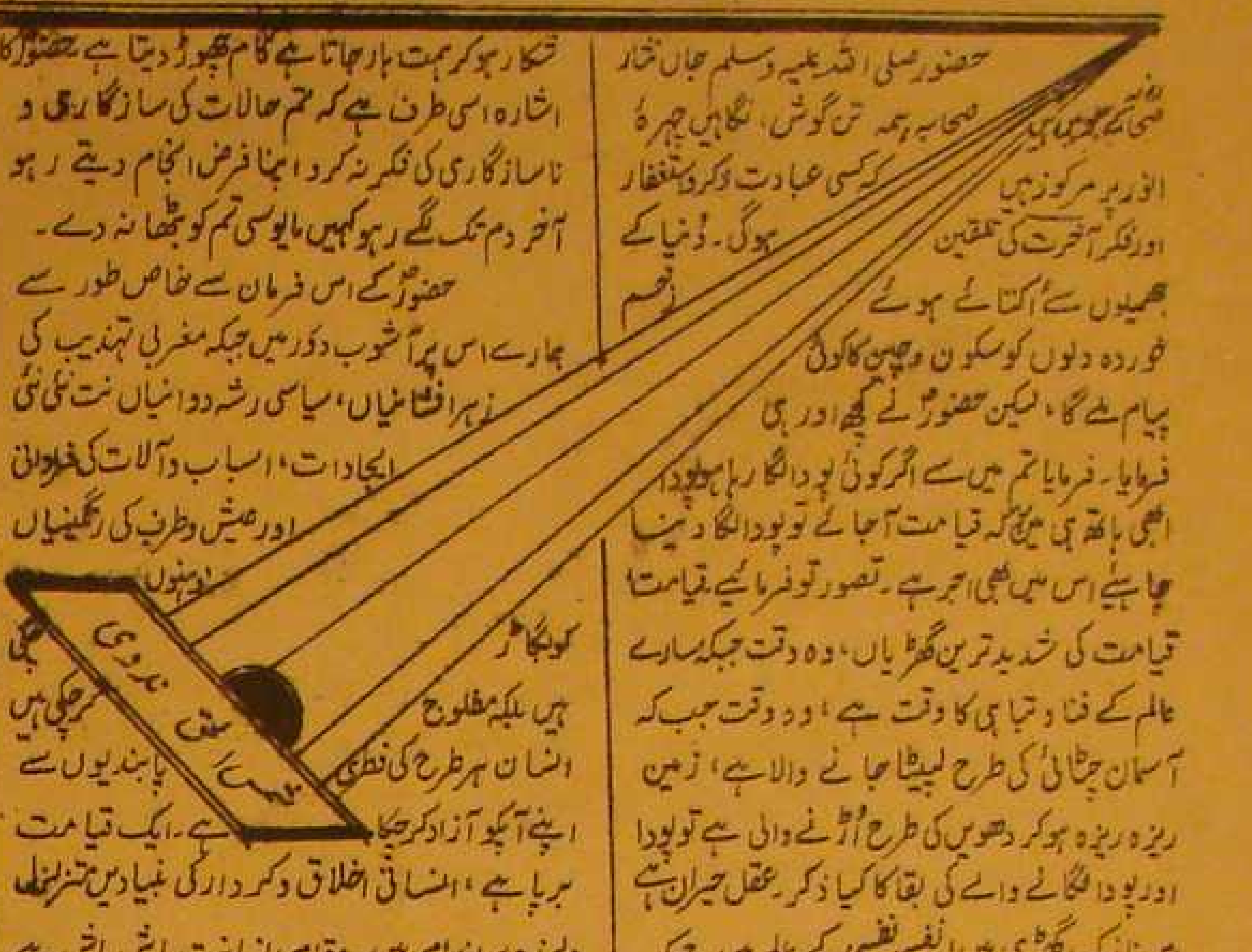

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاں نثار صحابہ ہمہ تن گوش، نگاہیں چہرۂ انور پر مرکوز ہیں کہ کسی عبادت ذکر و استغفار اور فکر آخرت کی تلقین ہوگی۔ دنیا کے جھمیلوں سے اُکتائے ہوئے زخم خوردہ دلوں کو سکون و چین کا کوئی پیام ملے گا، لیکن حضورؐ نے کچھ اور ہی فرمایا۔ فرمایا تم میں سے اگر کوئی پودا لگا رہا ہو پودا ابھی ہاتھ ہی میں ہو کہ قیامت آجائے تو پودا لگا دینا چاہئے اس میں بھی اجر ہے۔ تصور تو فرمائیے قیامت، قیامت کی شدید ترین گھڑیاں، وہ وقت جبکہ سارے عالم کے فنا و تباہی کا وقت ہے، وہ وقت جب کہ آسمان چٹائی کی طرح لپیٹا جانے والا ہے، زمین ریزہ ریزہ ہوکر دھوئیں کی طرح اُڑنے والی ہے تو پودا اور پودا لگانے والے کی بقا کا کیا ذکر۔ عقل حیران ہے اس نازک گھڑی میں، نفسی نفسی کے عالم میں۔ جبکہ رجوع و انابت، توبہ و استغفار، تضرع و ابتہال رونے اور گڑگڑانے کا وقت ہے، شدید خوف و ہراس ناقابل بیان گھبراہٹ و پریشانی کا وقت ہے آقا کے قدموں پر سر ڈال دینے کا وقت ہے اس وقت کے لئے آپ فرما رہے ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں پودا ہو تو لگا دو یہ عجیب سبق ہے، نبی تو آتے ہیں بندوں کو خدا کی یاد میں سرمست کرنے کے لئے پھر اس نازک گھڑی میں دنیاداری کا حکم کیوں دے رہے ہیں، ہاں محدود دائرۂ فکر رکھنے والوں کو یہی نظر آئے گا مگر نہیں حقیقت کچھ اور ہی ہے آپ اُمت کو کچھ اور ہی سبق پڑھا رہے ہیں، وہ ہے تادم آخر کامیابی و ناکامی کی پرواہ کئے بغیر اپنی جد و جہد کو جاری رکھنا اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے نیک جذبات و اُمنگوں کے ساتھ کام کرتے رہنا اور نتیجہ خدا کے حوالہ کر دینا۔

قرآن کریم کے اس فرمان کو جو خالق کائنات نے اپنے محبوب ترین بندے کو مخاطب کرکے فرمایا ہے (اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ) آپ جس کو ہدایت دینا چاہیں نہیں دے سکتے (آپ کا کام تو دعوت دیتے رہنا ہے) لیکن اللہ جس کو چاہے گا ہدایت دے گا (آپ دعوت دینے کے مکلف ہیں ہدایت دینا یا گمراہ کرنا یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے) اس فرمان کے مطابق بندے کا کام جد و جہد جاری رکھنا ہے اور انجام کا خدا کے حوالے کر دینا ہے۔

عملی زندگی میں اس کا بارہا تجربہ ہوتا ہے کہ ایک اچھا کام ہو رہا ہوتا ہے، حالات بالکل ناسازگار و ناموافق ہوتے ہیں ایسے میں آدمی ناامیدی و مایوسی کا شکار ہو کر ہمت ہار جاتا ہے کام چھوڑ دیتا ہے حضورؐ کا اشارہ اسی طرف ہے کہ تم حالات کی سازگاری و ناسازگاری کی فکر نہ کرو اپنا فرض انجام دیتے رہو آخر دم تک لگے رہو کہیں مایوسی تم کو بٹھا نہ دے۔

حضورؐ کے اس فرمان سے خاص طور سے ہمارے اس پرآشوب دور میں جبکہ مغربی تہذیب کی زہرافشانیاں، سیاسی ریشہ دوانیاں نت نئی نئی ایجادات، اسباب و آلات کی فراوانی اور عیش و طرب کی رنگینیاں [illegible] کو بگاڑ [illegible] ہیں بلکہ مفلوج کر چکی ہیں انسان ہر طرح کی فطری پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کر چکا ہے۔ ایک قیامت برپا ہے، انسانی اخلاق و کردار کی بنیادیں تک لرزہ براندام ہیں۔ مقامِ انسانیت پاش پاش ہے بلکہ اگر مبالغہ نہ ہو تو انسانی آبادی کی صحیح اور سچی تعبیر یہ ہے کہ وہ بے روح جسم اور چلتی پھرتی لاشوں کا وحشت ناک مجموعہ ہے، جہاں سے غیرت و حمیت حق پرستی و حقیقت پسندی کو بے دخل کر دیا گیا ہے۔ انسان ہیں انسانیت نہیں دل ہیں درد و تڑپ نہیں، آنکھیں ہیں آنسو نہیں، شکوک و شبہات، بے یقینی و بے اعتمادی کا دور دورہ ہے خدا کا کلام کتنا سچا ہے قرآن کریم نے تو قیامت کے بارے میں فرمایا تھا کہ (اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ) دوست اس دن بعض بعض کے دشمن ہوں گے سوائے ان دوستوں کے جو خدائی احکام کا پاس و لحاظ رکھیں گے) لیکن اس کا نقشہ ہم یہیں دیکھ رہے ہیں۔ ایسی شاید دو چار مثالیں بھی مشکل ہوں کہ دوست اپنے دوست کے وقت کام آیا خصوصاً آج کا ہمارا سیاسی ماحول تو بہت کھل کر اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے۔

؎ کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے

کا منظر خوب دیکھنے میں آتا ہے۔ بات یہیں تک نہیں بلکہ ایک دوسری حقیقت جس کا اعلان قرآن کریم نے قیامت ہی کے لئے کیا ہے (یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ) جس دن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اپنی ماں اور اپنے باپ سے بھاگے گا، اپنی بیوی اور اپنے بیٹے سے بھاگے گا اس دن ہر شخص کا یہ حال ہوگا کہ ایک دوسرے شخص کو بے پرواہ کرے گا کیا ہمارا آج کا خود غرضی اور مفاد پرستی کا دور یہی نقشہ نہیں پیش کر رہا ہے یورپ میں کیا ہو رہا ہے، عدالتوں میں کیا ہو رہا ہے، تجارت میں کیسی کیسی خبریں آپ کی نظروں سے گذرتی ہیں۔ یہ تو تھوڑے سے واقعات آپ کے سامنے آتے ہیں اگر معاشرہ میں گھس کر دیکھیں تو دم گھٹنے لگے گا، بقول اکبر الٰہ آبادی

؎ نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

ان حالات اور ان حالات میں شمع ہدایت جلانے کی ہمت کرنا کتنی بڑی بات ہے کس کا دل و جگر ہے جو آگے بڑھے لیکن نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر قیامت آرہی ہو اور ہاتھ میں پودا ہو تو اسے لگا دو۔ ہمارے اس پرآشوب دور میں خاص طور پر دعوت و ارشاد کا کام کرنے والوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بڑی تسکین و تسلی اور بڑا سہارا ہے کہ وہ حالات گرد و پیش سے بے فکر ہو کر صبر و استقلال ہمت و جواں مردی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیں ناکامی ان کو مایوس نہ کر دے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام اور اسلام کے داعیوں کو بارہا ایسے حالات سے سابقہ پڑا ہے مگر جب کام کرنے والے ہر طرف سے بے فکر و بے پرواہ ہو کر کام میں لگے رہے اپنی دھن کے پکے ثابت ہوئے تو حالات کو خود ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور اسلام کی تابناک شعاعیں ضلالت و گمراہی کے دبیز پردوں کو پھاڑ کر چمکیں اور عالم کو منور کیا بالکل ایسے ہی جیسے سورج بادل کی موٹی موٹی تہوں کو پھاڑ کر جلوہ گر ہو جاتا ہے، اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے

؎ جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر نکلے اُدھر ڈوبے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں یہ بھی ایک نازک دور ہے ہمیں اس سے گھبرانا نہ چاہئے۔ اپنی جد و جہد برابر جاری رکھنی چاہئے آج نہیں تو کل۔ ہم نہیں تو ہمارے بعد آنے والی نسل اس سے فائدہ اٹھائے گی۔ اور کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

ہماری تاریخ میں حملۂ تاتار سے نازک دور کبھی نہیں گذرا، مغرب سے مشرق تک ایک ہیبتناک طوفان گذر گیا۔ اسلامی دنیا تہ و بالا ہو کر رہ گئی۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ انھیں طوفانی لہروں اور قیامت خیز گھڑیوں میں کچھ باہمت شمع ہدایت روشن کرتے رہے۔ آخر وہ دن آیا کہ یہی خونخوار قوم جو اسلام کو مٹا رہی تھی اس نے آستانۂ اسلام پر سر ٹیک دیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس ماحول میں ہوئی وہ کیسا تھا کتنا تیرہ و تاریک تھا پھر یہ سیاہ پردے کس کس طرح تار تار ہوئے قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم و یوسف علیہ السلام کے قصے اسی لئے بیان کئے ہیں کہ نازک گھڑیوں میں ہمارے لئے سنگ میل اور چراغ راہ ثابت ہوں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو حالات پیدا ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جس طرح اس کا مقابلہ کیا خود اس میں مسلمانوں کے لئے موجودہ حالات میں بہت بڑا سبق ہے۔

کرنول میں ڈاکٹر عبدالحق کی اسلامی یادگاریں

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ریڈر شعبہ عربی، وینکٹیشور یونیورسٹی، آندھرا

جب سے تروپتی میں قیام کا موقع ملا۔ کرنول کا ذکر برابر سننے میں آتا رہا۔ مجھے خاص طور سے اس کا شوق تھا کہ کرنول جاکر افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانے میں مخطوطات سے استفادہ کروں۔ اکثر اہل علم نے عثمانیہ کالج کرنول کے کتب خانہ کی تعریف کی۔ اتفاق دیکھئے کہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی توسیعی لکچر کی اسکیم کے تحت مجھ کو عثمانیہ کالج میں ایک لکچر عربی کی تنقید کے بنیادی رجحانات پر دینے کے لئے بھیجا گیا۔

میں ٹرین پر سوار ہوا جوں جوں منزل قریب ہوتی گئی میرا شوق بھی بڑھتا گیا۔ جب کرنول پہونچا تو یہ دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی کہ شہر میں اسلامی آثار نظر آنے لگے اور وہاں کی زندگی میں مسلمانوں کا وجود پوری طرح محسوس ہوتا ہے۔ مساجد کی کثرت ہے۔ شیروانی پہنے ہوئے لوگ بھی نظر آتے ہیں۔ تروپتی کے قیام نے ان چیزوں کو میرے لئے دل کی خوشی کا ذریعہ بنا دیا ہے اردو بھی عام طور سے لوگ بولتے نظر آئے میں نے رکشہ کیا اور عثمانیہ کالج پہونچا۔ کالج پتھر کا بنا ہوا ہے اور اپنے اندر شاہی جلال و عظمت رکھتا ہے دو منزلہ عمدہ عمارت ہے جس سے ملحق عبدالوہاب کا بلند و بالا گنبد یا مقبرہ ہے۔ یہ گنبد کرنول کے مسلم دور حکومت کی یادگار ہے۔ ویسے یہ شہر نظام حکومت میں شامل تھا بعد میں انگریزوں نے لے لیا تھا۔

میں پہلے پرنسپل صاحب کے پاس گیا انھوں نے از کرم کالج کے شعبہ اردو کے ایک کمرہ میں قیام کا انتظام کر دیا۔ اردو اساتذہ نے میری بڑی مدد فرمائی عثمانیہ کالج دیکھ کر مجھے دو طرح سے مسرت ہوئی اولاً یہ کہ ڈاکٹر عبدالحق کی اس سعی سے مسلمانوں کو خاص طور سے فائدہ پہونچ رہا ہے۔ دوسرے ذوق کے نقطۂ نظر سے کالج کا محل وقوع نہایت دلفریب ہے۔ چنانچہ جب میں بالائی منزل پر تقریر کرنے کے لئے گیا تو وہاں بالکل سامنے دریا بہتا نظر آرہا تھا اتنی بلندی سے یہ منظر دلکشی و رعنائی کا عجیب سماں نظر آرہا تھا سامنے پیش کر رہا تھا۔

میں نے تقریباً آدھ گھنٹہ تقریر کی میرا موضوع عربی تنقید تھا جو طلبہ اور اکثر اساتذہ کے لئے اجنبی تھا پھر بھی میں نے اردو ادب کی مثالوں سے تقریر کو دلچسپ و مانوس بنانے کی کوشش کی۔ اکثر مجھے اس کا تجربہ ہوا کہ کسی ایسے موضوع پر تقریر کرنا جس سے سامعین واقف نہ ہوں اور لطف نہ لے سکیں طبیعت میں ایک بے کیفی کا باعث بنتا ہے۔ مجمع اگر اس موضوع سے کسی قدر آشنا ہو تو مقرر کا دل بڑھتا ہے۔ شکر ہے کہ کرنول میں اہل علم نے جلسہ میں شرکت کی اور تقریر کو توجہ سے سنا۔

میں شام کو عثمانیہ کالج سے ملحق عمارت ~~عربک~~ کالج گیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک ہی احاطہ یا قطعہ اراضی میں عثمانیہ کالج ~~عربک کالج طبیہ کالج~~ اور عمر عربک ہائی اسکول واقع ہیں۔ عمر عربک ہائی اسکول اور عربک کالج کے سامنے ایک وسیع کھیل کا میدان ہے جس کے نیچے دریا بہتا ہے۔

یہ منظر نہایت دلفریب ہے میں بڑی دیر تک لطف لیتا رہا۔ ویسے کرنول میں دو دریا ہیں تنگا بھدرا اور ہندری، ان دونوں کا سنگم حسن و کیف کا مرجع ہے۔

عربک کالج تقریباً سو برس قدیم ہے۔ اس میں درس نظامی کی تعلیم ہوتی ہے۔ ادیب فاضل اور افضل العلماء کے امتحانات کا نظم بھی ہے۔ اسی سے ملحقہ طبیہ کالج ہے جس میں طبیب کامل کی سند دی جاتی ہے۔

طبیہ کالج، عثمانیہ کالج اور عربک ہائی اسکول ڈاکٹر عبدالحق کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک قد آدم فوٹو بھی عثمانیہ کالج کے دفتر میں نظر آیا۔ عمر ڈاکٹر صاحب کے والد کا نام گرامی تھا۔ اسی مناسبت سے عمر عربک ہائی اسکول رکھا گیا۔ البتہ عربی کا قیام ڈاکٹر صاحب کے والد کا کارنامہ ہے۔

عربک ہائی اسکول میں عربی یا فارسی ہر طالب علم پر لازمی ہے اسی سے طلبہ کا ذہن و کردار اچھے اثرات قبول کرتا ہے۔

کرنول میں کالج کے متعلقہ اسٹاف نے میری عزت افزائی فرمائی۔ میرا دل خوش ہوا کہ کرنول کے ان اسلامی آثار کو دیکھ کر جن میں ڈاکٹر عبدالحق کی عظمت کا نشان نمایاں ہو۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی مقبولیت کا ایک واقعہ ایک صاحب نے سنایا کہ

وہ ایک اسٹیشن پر اترے۔ ایک ہندو نے جب ان کو بیٹھے دیکھا تو آکر ان کے پیروں پر گر پڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ کیا بات ہو اس نے درخواست کی کہ آپ میری چائے قبول فرمالیں۔ آپ نے بڑا احسان کیا ہے کہ کرنول میں کالج کھول کر اس میں میرا لڑکا پڑھتا ہے۔ اگر آپ یہ کالج نہ کھولتے تو میرا لڑکا اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر پاتا۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ان کی عوام میں مقبولیت عام کا پتہ چلتا ہے۔

خود وینکٹیشور یونیورسٹی میں عربی، فارسی اور اردو شعبہ کا قیام انہیں کی مساعی جمیلہ کا فیض ہے۔ انھوں نے جنوبی ہند میں اسلامیہ کالجوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے جس میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ معلوم کرکے اور خوشی ہوئی کہ عربک کالج میں بورڈنگ میں رہنے والے تمام طلبہ کو مفت قیام و طعام کی سہولتیں حاصل ہیں۔

اس عربک کالج میں جو کہ اورینٹل کالج ہے اساتذہ کا گریڈ عام کالجوں کے برابر اٹھا دیا گیا ہے۔ یونیورسٹیوں کے امتحانات دینے سے منع نہیں کرتے بلکہ اس کی تیاری میں مدد دیتے ہیں۔

جنوبی ہند کے عربی مدارس کے بعض ذمہ دار حضرات سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ اونچے کلاس کے طلبہ کو خود یونیورسٹی کے عربی و فارسی امتحان پاس کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اس میں طلبہ کو آسانی یہ ہوتی ہے کہ یونیورسٹی کے امتحانات کا معیار عربی مدارس سے کم ہوتا ہے اس لئے ان کو پاس کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور طلبہ کو ہائی اسکولوں میں ملازمت ملنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

بقیہ علامہ شبلی

وجدان جھوم جھوم اٹھے معرکۂ حرب و ضرب کی تصویر دکھائیں گے تو ایسی کہ خود آپ کی رگِ شجاعت میں جوش آجائے۔ قلم پر یہ قدرت وہ بھی اس ہمہ گیری اس جامعیت کے ساتھ کم ہی کسی مصنف کے نصیب میں آتی ہے" ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں "شبلی اسلوب بیان کی باریکیوں اور لطافتوں کے محرم راز تھے، اب زمانہ بہت گذر گیا زبان کہاں سے کہاں پہنچ گئی، محاورے بدل گئے ترکیبیں نئی نئی چل پڑیں لیکن شبلی کے طرز و اسلوب پر "اوس" اب تک نہیں پڑنے پائی کہنا چاہئے کہ وہی کس بل، وہی دم خم تازگی لئے ہوئے وہی نمونہ اب بھی خاصی بڑی حد تک موجود محفوظ ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

عالمِ اسلام

آہنی دیوار کے پیچھے

تحریر صالح ابراہیم ترجمہ عبدالمختار الصافی

وسط ایشیا کے مسلم خطے اور بالخصوص ترکستان میں مسلمان کمیونزم و تمدنی کا شکار ہو رہے ہیں، ان کو دینی، ثقافتی اور وطنی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔

سید اعظم ہاشم مہاجر ترکستان نے مسلمانوں کی افسوسناک کیفیت بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ترکستان میں جدید دنیاوی تعلیم لینن اور مارکسی اثرات سے قبل بہت محدود تھی جب کہ اس وقت تعلیمی زبان بھی روسی ہی تھی اور اس کا مقصد صرف مسلمان کو دین سے برگشتہ کرنا تھا اور تعلیمی مقصد دوسرے نمبر پر تھا۔

پہلے ترکستان میں دینی مدارس کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور ان مدارس میں ترکی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا تھا کوئی بھی شہر چھوٹا ہو یا بڑا دینی مدارس سے خالی نہ تھا۔ مسلمانوں کا سرمایہ دار طبقہ اپنی جائداد ان مدرسوں میں وقف کر دیتے تھے جن سے طلباء مفت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بعد میں علماء نے اس میدان کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اپنایا اور اپنی تعلیم سے زیادہ پیری مریدی سے دلچسپی لینے لگے۔

۱۹۱۷ء میں روس میں کمیونزم کے تسلط کے بعد انکی زمین اور باغات ضبط کر لئے گئے، اور تمام مسلمانوں کو ان کے شہری حقوق تک سے محروم کر دیا گیا، انھیں کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور، کسان، تاجر اور علماء سب ہی شامل تھے۔ اس کمیونسٹ حکومت نے مسلمانوں کا نماز پڑھنا بھی ایک سنگین جرم قرار دیا، حج پر بھی پابندی عائد کر دی گئی اور مساجد کو مقفل کر دیا گیا۔ مسجدوں اور مدرسوں کے اوقاف ضبط کر کے ان کو بے سر و سامان کر دیا گیا۔

لیکن جب مسلمانوں نے معاشی طور پر مضبوط ہونے کی کوشش شروع کی تاکہ ان مصائب کو دور کر سکیں تو اس پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ جن لوگوں نے مالی اعانت کی ان کے پیچھے یہ شر چھوڑ دیئے گئے کہ ان کے پاس دولت چھپی ہوئی ہے اور اس کا نکالنا ضروری ہے۔

اس پابندی کے بعد کوئی مسلمان مساجد کی دشواریوں کو ختم کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ ان پریشانیوں سے عاجز آ کر جو لوگ مسجدوں میں جماعت سے نماز ادا کرتے تھے ان لوگوں نے اپنے گھروں ہی کو مسجد بنا لیا۔ اور مسجدیں اسی طرح ویران پڑی رہیں۔ آخر کار حکومت نے ان پر قبضہ کیا اور ان میں سے کسی کو رقص گاہ اور کسی کو نائٹ کلب اور کسی کو اصطبل بنا دیا۔

وہاں ایک ایسی جماعت بھی بنائی گئی جس کا مقصد صرف اسلام دشمنی تھا اور اس نے یہ اعلان کیا کہ جو مسلمان محنت مزدوری سے روزی کمانا چاہتا ہے یا کھیتی کرنے تجارت کرنے اور دست کاری سے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اقامت کا اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن اسلام پسند مسلمانوں کے لئے اجازت لینا بھی بہت دشوار مسئلہ تھا۔

اس کے برخلاف شرپسندوں کو کھلی چھوٹ حاصل تھی وہ مسلمانوں پر حملے کرتے ان کو بے دردی سے قتل کرتے، لیکن کسی کو بھی سزا نہ ہوتی۔ ۱۹۲۷ء کے بعد ان حملوں نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی اور مسلمانوں کو موت اور قتل و غارتگری کا نشانہ بنایا گیا مسلمانوں پر طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے۔ سڑکوں اور مساجد کی دیواروں پر کارٹون بنا کر قرآن، حدیث اور دینی رہنماؤں کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا نشانہ بنایا گیا۔ اور بظاہر اس سے چھٹکارے کی کوئی تدبیر نہ پا کر مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت ہی کرنے میں اپنی عافیت سمجھی۔

یہ انتہائی افسوسناک حالت مسلمانوں کی ہے اور دنیا میں کوئی تحریک ان کی موافقت میں نہیں اٹھ رہی ہے۔ جو ترکستانی مسلمانوں کو ان آہنی دیواروں کی قید سے نجات دلائے۔ ان کی کھوئی ہوئی آزادی دوبارہ ان کو واپس مل سکے اور وہ دوسرے انسانوں کی طرح اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔

تصانیف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی

(۱) تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی	۳/۱
(۲) ہندوستانی مسلمان	۴/۱
(۳) تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول	۱۰/۱
(۴) " " دوم	۹/۲۵
(۵) " " سوم	۶/۱
(۶) مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش	۲/۱
(۷) قادیانیت اردو	۴/۱
(۸) نیا طوفان اور اس کا مقابلہ	۰/۳۰
(۹) نشانِ راہ	۰/۳۰
(۱۰) سیرت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری	۶/۱
(۱۱) مشرقِ اوسط میں کیا دیکھا	۱/۲۵
(۱۲) مکتوبات حضرت مولانا محمد الیاس	۲/۱
(۱۳) کاروانِ مدینہ	۲/۱
(۱۴) حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت	۳/۵۰
(۱۵) ایک اہم دینی دعوت	۰/۵۰
(۱۶) نقوشِ اقبال	۴/۵۰
(۱۷) حیات مولانا حکیم سید عبدالحئی	۱۱/۰
(۱۸) صحبتے با اہلِ دل	۴/۰
(۱۹) عالم عربی کا المیہ	۳/۵۰
(۲۰) مسلمس ان انڈیا (انگریزی)	۶/۰
(۲۱) قادیانزم "	۴/۰
(۲۲) تیلس آف دی پرافٹ "	۲/۱
(۲۳) اسلام اینڈ دی ورلڈ "	۱۳/۰
(۲۴) نبولینس اینڈ اس آنسر "	۰/۲۵
(۲۵) اسلام دی اونلی وے "	۰/۴۰
(۲۶) ہیوینن الیٹ اینڈ ولیٹ "	۰/۵۰
(۲۷) ریلیجن اینڈ سویلائزیشن "	۵/۱

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

"بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست"

کلیم احمد عاجز

زخم کھائے ہوئے سر تا بہ قدم آئے ہیں
آپ کے سامنے جس حال سے ہم آئے ہیں

کھو کے بازار میں سب اپنا بھرم آئے ہیں
مشرق سے غرب کہیں کوئی سہارا نہ ملا

گرچہ بے دست ہیں بیچارہ ہیں بے ساماں ہیں
لے کے اُردن کے جوانانِ بنی ہاشم کا

لے کے ہم پیشکشِ خدمتِ عالی کے لئے
بیتِ مقدس کے غریب الوطنوں کا لیکر

مختصر یہ ہے کہ اس سینۂ سوزاں میں لئے
یہ غم ایسا ہے کہ پھر غم نہ کوئی یاد رہا

آپ کے سایۂ دامن سے جو ہم دور ہوئے
اور یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اسی قابل ہیں

ایک نگاہ غلط انداز کے سائل بن کر

ہانپتے کانپتے یا شاہ اُمم آئے ہیں
ایسے مجرم کسی دربار میں کم آئے ہیں
شرم کہتے ہوئے آتی ہے کہ ہم آئے ہیں
ٹھوکریں کھا کے ہر اک سمت کی ہم آئے ہیں
پھر بھی سرکار میں خالی نہیں ہم آئے ہیں
حوصلہ آئے ہیں ہم آئے ہیں خم آئے ہیں
تحفۂ خونِ شہیدانِ حرم آئے ہیں
جگرِ سوختہ و دیدۂ نم آئے ہیں
وقت کا سب سے دہکتا ہوا غم آئے ہیں
گرچہ ہر دور میں رنج آئے ہیں غم آئے ہیں
گھیر کر چار طرف اہلِ ستم آئے ہیں
بہت آئیں گے مصائب ابھی کم آئے ہیں
مجرمانِ اُمم اے شاہِ اُمم آئے ہیں

اب تو اس در سے نہ سر اٹھے گا انشاءاللہ
جان دینے کو گئے ہیں، سوچ کے ہم آئے ہیں

طلبہ کا صفحہ

علامہ شبلی — ہے قلم میرا تیغ جوہردار

اردو کی ترویج اور ادب کی خدمات کی روشنی میں

از یوسف نعمان متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء

اُردو زبان مستقل اپنی ایک تاریخ رکھتی ہے جو ایک خاندان، ایک قوم، ایک شہر اور ایک صوبہ اور ایک ملک کی نہیں بلکہ ایک عالم کی زبان ہے اکثر ممالک میں خاصی تعداد اُردو دانوں کی ضرور مل جائے گی لیکن اس اُردو زبان کا وطن مسکن ہمارا اپنا ملک ہے اور اس کی پیدائش اسی ہندوستان کے اندر ہوئی، یہی اُس کا اصل وطن اور جائے ولادت ہے۔

اس زبان کو عام کرنے اور اسکی ہر حیثیت سے مدد کرنے اسکو فروغ دینے اور اس کی ترویج میں اہل اُردو ادبا اور ماہرین علم وفن نے حصہ لے کر اس کو تقویت پہونچانے کی کوشش کی لیکن اُن اُردو زبان کے حامیوں میں علامہ شبلی نعمانی کا نام انتہائی نمایاں نظر آتا ہے آپ نے اُردو کو علمی اور ادبی حیثیت سے فروغ دینے اس کو رائج کرنے اور اسکو تقویت پہنچانے میں انتہائی کوشش کی آپ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اُفق عالم پر مہ وانجم کی طرح درخشاں ہیں شبلیؒ نے علم وادب کے گوشہ سے محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے کہیں زیادہ سنجیدہ اور قواعد کے لحاظ سے انتہائی بہترین خدمت کی اس طرح مولانا الطاف حسین حالی بھی علامہ کے تحقیقی کارہائے نمایاں کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں جس کا اندازہ ایک منصف اور غیر جانبدار کے تبصرہ سے ہوسکتا ہے "شبلیؒ اپنے زمانہ کے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلوب تحریر کی اہمیت کو سمجھا علامہ محمد حسین آزاد کے طرز تحریر میں اگرچہ لطافت وشیرینی پائی جاتی ہے لیکن انھوں نے ہر تصنیف اپنے خیالی رنگ میں لکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخی حقائق اور صحیح واقعات جو تشبیہ و استعارہ میں بیان کئے گئے اپنی صحت اور حقیقت کے باوجود اس میں افسانہ کا رنگ آگیا اسی بنا پر کہیں کہیں آزاد کی تحقیق تحقیق نہیں معلوم ہوتی اور تنقید تنقید نہیں رہتی، اور ڈپٹی نذیر احمد کے طرز تحریر کی کوتاہیاں جو مختصرًا یہ ہیں کہ انھوں نے قرآن کا ترجمہ کیا، مذہبی کتابیں لکھیں سیرت وسوانح مرتب کئے لیکن ان میں عامیانہ اور سوقیانہ بول چال محاورے کہاوتیں لکھ دیں، اور ایسا اسلوب بیان اختیار کیا جو نہیں اُس موضوع وفن کے مناسب تھا اور نہیں بزرگان دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت اطہار کی شان کے خلاف ہوگیا مولانا حالی

اپنے اسلوب کی متانت اور ہمواری سے مختلف موضوعات کو نباہ لے گئے لیکن علامہ شبلی کے مقابلہ میں اُن کا طرز بھی بے مزہ معلوم ہوتا ہے موقع ومقام اور موضوع وبیان کے مطابق اسلوب اختیار کرنے کیلئے صرف وجدان وذوق کی رہنمائی شرط ہے قواعد صرف نحو اور اصول معانی وبیان بھی بغیر ذوق سلیم اور ذہن متوازن کے کام نہیں دیتے، علامہ شبلی ایسا ہی مذاق صحیح اور طبع لطیف رکھتے تھے، ہر موقع ومحل کیلئے اسی کے مناسب طرز تحریر اختیار کیا ہے لطیف ونازک استعارہ وتشبیہ سے بھی کام لیتے ہیں لیکن انکے بغیر بھی، الفاظ کے انتخاب مرکبات وجملوں کی ساخت میں ایسی قدرحسن تناسب ملحوظ رکھتے ہیں لطافت خیال، دقت نظر، وسعت تحقیق، قوت استدلال سے معنٰی ان میں قدرت وجدت، تاثیر ودلفریبی پیدا کردیتے ہیں، عظمت واہتمام کے موقع پر شاندار الفاظ اور موزوں ترکیبوں سے شان وشوکت دکھاتے ہیں دلائل اور مثالوں کے انتخاب وترتیب میں اُنکا حسن نظر اور ذوق سلیم نمایاں ہے جس موقع پر دوسرے مصنف معمولی سامنے کی مثالوں پر قناعت کرتے ہیں وہاں علامہ شبلی نادر وعجیب مثالیں تلاش کرکے لاتے ہیں، علامہ نے اُردو زبان میں سیرت وتنقید میں حالیؒ اور محمد حسین آزاد سے اولیت حاصل کی آپ نے ان چیزوں پر قلم اٹھایا تو زمین کو آسمان کردیا اُردو میں پہلی مرتبہ یہ بات نظر آئی کہ ذوق "سیرت" اس طرح مرتب کرتا ہے اور "تنقید" اس طرح لکھتا ہے۔"

علامہ شبلی ایک جدید اُسلوب کے موجد ہیں جس اُسلوب سے اُردو زبان کو چار چاند لگ جاتے ہیں، آپ کی انشاء پردازی اپنی نوع کی جدید وتحریریں انشاء پردازی ہے آپ کی تحریر میں سلجھاؤ، ادبی تاثیر، دعوی اور دلیل کی ترتیب پیچیدہ مسائل کو سلجھا کر سلیقہ سے کہنا آپ کے اُسلوب کی نمایاں صفات ہیں، نیز آپ کی شاعری میں مسیحائی کی تاثیر تھی۔

علامہ شبلی نے اُردو زبان کو علم وادب، تاریخ وسیرت سے مالا مال کردیا۔ اپنی تصنیفات مولانا روم، سیرت النعمان، الفاروق اور سیرت النبی جیسی محققانہ کتابوں سے اردو کو علم وادب کا ایک گہوارہ اور مرکز بنا دیا۔ ان تصنیفات کیلئے انھوں نے

بلاد اسلامیہ کی خاک چھانی جنکی جانفشانی اور کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے بانی اور محبوب ربانی کی ایک محققانہ سیرت سے اُردو کو نوازا جو علوم کا خزینہ اور معارف کا دفینہ ہے۔

عصر حاضر کے عظیم محقق وناقد اور صاحب اُسلوب شبلی اسکول کے آخری تاجدار حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کا ایک شہ پارہ جس کو موصوف نے دارالمصنفین سلور جبلی کے موقعہ پر پیش کیا تھا ملاحظہ ہو جو علامہ کے طرز تحریر اُسلوب اور آپ کی خدمات کی صحیح اور کامل ترجمانی کیلئے کافی ہے " علامہ شبلی اپنے زمانہ کے پیرومرشد کی حیثیت رکھتے تھے سیاست ہو یا مذہب، شاعری ہو یا ادب، تاریخ ہو یا فلسفہ علم وفن کے ہر شعبہ ہر شاخ میں مرجعیت اُن ہی کو حاصل تھی۔ ان باتوں کی بنیاد نہ سنی سنائی باتیں ہیں نہ واسطہ در واسطہ روایتیں بلکہ بہت کچھ براہ راست دیکھا سنا ہوا ہے اور "شنید" سے بڑھ کر "دید" کا حصہ ہے آپ نے اُردو زبان میں جو مرثیے لکھے اُن میں سوز وگداز ٹپکتا پڑتا ہے، "اور آپکا کلام چاہے نثر ہو یا نظم اُردو زبان کے شہ پارے ہیں، مولانا اپنی جگہ بولنے والے بھی اچھے تھے اور ملک کے اُونچے خطیبوں اور مقرروں میں گنے جاتے تھے لیکن اُن کا اصل جوہر کمال خوش تقریری نہیں خوش تحریری ہے اور اُنکی شہرۂ آفاق عظمت کا نقیب زبان نہیں قلم تھا مصنف اُردو زبان نے اور بھی اچھے اچھے پیدا کئے ہیں کسی نے تاریخ نگاری میں نام پایا کسی نے ادب وانشاء کا جادو جگایا ایک نے دینیات میں اللہ ورسول کے فرمان سنائے تو دوسرے نے قصے کہانیوں کے چوچلے دکھائے تنوع یا رنگارنگی کی دولت شبلی ہی کے نصیب میں آئی۔ تاریخ ہو یا سوانح نگاری، شعر ہو یا نقد شعر، کلام ہو یا فلسفہ جس موضوع پر قلم اٹھایا اب چاہے چھوٹا سا مقالہ ہو یا بڑی سی کتاب۔ لکھنے کا حق ادا کردیا اُس نے تنقید کے گوشہ سے تاریخ وسیرت کے گوشہ سے فلسفہ وکلام کی حیثیت سے وہ کتابیں لکھیں جنکو آپ مصنفی کے اونچے معیار سے گرا ہوا نہ پائیں گے اور مصنف کی زبان حال یہی صدا لگاتی ہوئی سنائی دے گی۔

'ہے قلم میرا تیغ جوہردار'

آپ کو طرز تحریر فن تصنیف میں یکتائی حاصل تھی رزم ہو یا بزم دونوں کا سماں صحیح کھینچ دینے میں طاق موزوں لفظ، مناسب فقرے، متناسب ترکیبیں لانے میں مشاق، استدلال کریں گے تو ایسا معقول کہ پہلے وہلہ میں تو آپ کا دماغ اُن کے ساتھ کھنچ جائے گا، رنج کا نقشہ کھینچیں گے تو ایسا کہ آپ پر بھی جذبۂ غم طاری ہوئے بغیر نہ رہے۔ مقام مسرت کی مصوری کریں گے تو ایسی کہ آپ کے دل کا کنول آن کی آن میں کھل جائے شعر کی گرہ کھولیں گے تو ایسی کہ آپ کا

مثال کے طور پر الحقوق والفرائض میں سب سے پہلے فقرہ یہ لکھتے ہیں "کسی نے کیا اچھی کہی ہوئی بادن تولہ پاؤ رتی بات کہی کہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" اور اسی طرح "الاجتہاد" کے اندر بھی ایسی باتیں لکھی ہیں جو سرور کائناتؐ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہیں اور ناقابل تاویل ہیں۔

(بقیہ قرآن کا پیام)

اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ آپؐ نے یہ فرمایا اور اپنی اولاد حقیقی وحکمی یعنی سیدہ فاطمہؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا حسینؓ اور سیدنا حسنؓ کو ہمراہ لے کر تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی۔ اور بجائے آزمائش میں پڑنے کے عافیت اسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمی رعایا بن کر اسلامی حکومت میں رہنا گوارہ کرلیا جائے۔ سرولیم میور مسلمان نہیں (انیسویں صدی کے مسیحی تھے اور محض مسیحی نہیں مشنری بھی) ان کے قلم سے ملاحظہ ہو۔

"سارے واقعہ میں محمد کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے۔ نیز ان کے اس عقیدے کی شہادت کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے حق تمام تر انھیں کے ساتھ ہے درآنحالیکہ ان کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز ظن وتخمین کے اور کچھ نہ تھا۔"

(میور کی لائف آف محمد ص ۲۹۰)

بقیہ اداریہ

کی نامساعدت سے مرعوب ہوکر شکست کھا جاتا ہے اور زندگی کو کامیاب بنانے کا جذبہ اس کے اندر سے مفقود ہوجاتا ہے۔

سال ہجری کا مبارک آغاز ہم سے اسی بات کا مطالبہ کرتا ہے، وہ ہم سے ہجرت کے اوصاف وخصوصیات کا طالب ہے، موجودہ حالات میں جو ہر ملک کے مسلمانوں کو درپیش ہیں اس بات کی ضرورت انتہائی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ ہم بار بار سیرت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے رہیں اور اس میں ہم اپنے لئے عمل وعبرت کے نمونے تلاش کرتے رہیں۔ اس مبارک سیرت کا سب سے روشن ترین باب ہجرت کا واقعہ ہے جو واقعی ہر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اور ہر حال میں ان کے لئے مشعل راہ ہے۔

(بقیہ ذکر میلاد کی محفلوں میں)

تو اس کی خبر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیجاتی ہے اور اگر کوئی عبادت کرتا ہے آپؐ کے طریقوں پر چلتا ہے تو اس کی اطلاع بھی آپ تک پہونچ جاتی ہے۔ ذرا سوچیں کیسی دل ہلا دینے والی ہوگی یہ اطلاع کہ آپؐ کی امتؐ کی ایک بھاری اکثریت نہ صرف دین سے غافل ہوچکی ہے اور اعلانیہ آپؐ کا راستہ چھوڑے ہوئے ہے بلکہ برائے نام تھوڑی سی تعریف کرکے اور محفل منعقد کرکے دنیا کو یہ دھوکہ بھی دے رہی ہے کہ رسولؐ اللہ کے سچے عاشق ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

عجائب قدرت کا ایک نمونہ :-

قرآن مجید میں امم سابقہ کے کفار میں سے صرف چھ شخصوں کے نام مذکور ہیں۔ آزر، جالوت، فرعون، ہامان، قارون، سامری۔ آخر الذکر کا نام موسیٰ بن ظفر ہے اور پیغمبر اولوالعزم حضرت موسیٰؑ کا رشتہ دار اور ہمقوم تھا اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کی پرورش اللہ کی حکمت خاصہ اور قدرت کاملہ کا ایک خاص نمونہ ہے کہ دشمنوں کے گھر میں، دشمنوں کی گود میں ان کی پرورش کرائی گئی۔ اسی طرح موسیٰ ابن ظفر (سامری) کی تربیت بھی خوق العادت طریق سے اس طرح کی گئی کہ جب یہ بچہ ہوا اور فرعونی قانون کے تحت اس کو ذبح کر دینا ضروری ہوا تو اس کی والدہ نے یہ خیال کرکے کہ اپنے سامنے اپنے بچے کو ذبح ہوتا ہوا نہ دیکھوں اس کو ایک غار کے اندر چھپا دیا اور اس کے اوپر پتھر رکھ دیا۔ اب یہ بے کس بچہ جس کو اس کی شفیق والدہ نے مایوس ہوکر اپنے ہاتھوں موت کے منھ میں ڈال دیا تھا، بے کسوں کے وارث اور بے سہاروں کے سہارے حق تعالیٰ نے اس کو اپنی خاص تربیت میں لے لیا۔ جبرئیلؑ کو حکم ہوا کہ اس کو غذا پہونچائیں۔ وہ روزانہ ایک انگلی پر دودھ، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی لگا کر اس کو چٹا دیتے تھے یہاں تک کہ یہ غار میں بلاوارث بچہ پرورش پاگیا اور چلنے پھرنے لگا۔

اب خدا تعالیٰ کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک وقت میں دو موسیٰ پیدا ہوئے۔ دونوں کی تربیت اور پرورش خوق عادت کے طور پر کرائی گئی ایک نے فرعون جیسے کافر کے گھر میں پرورش پائی۔ دوسرا جبرئیلؑ جیسی مقدس ہستی کے ہاتھوں پلا۔ لیکن فرعون کے گھر میں پلنے والا خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور اولوالعزم رسول ونبی ہوا اور جبرئیلؑ کے ہاتھوں تربیت پانے والا منافق اور کافر نکلا۔ سچ فرمایا ہے ؎

خلقے برآری زبہت خانہ \
کُن آشنائے زبیگانہ

اسی حیرت انگیز واقعہ کو کسی شاعر نے نظم کیا ہے ؎

اذالمرء لم یخلق سعید الحجرت \
عقول مربیہ وخاب المومل

فموسیٰ الذی رباہ جبرئیل کافر \
وموسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

(تعجیب المسامعین بکلام رب العالمین ...)

ترجمہ:۔ جب کوئی انسان ازل خلقت میں بدبخت پیدا ہوتو تربیت کرنیوالوں کی عقل حیران رہ جاتی ہے اور اس سے امید رکھنے والے محروم رہ جاتے ہیں۔ پس وہ موسیٰ جس کو جبرئیلؑ نے پرورش کیا تھا کافر ہوا اور وہ موسیٰ جس کو فرعون نے پالا تھا رسول بنے۔

بقیہ سورۂ ہود

۱:۔ استقامت اختیار کرو، سرکشی نہ کرو۔ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

۲:۔ ظالموں (کفار اور ائمہ ضلالت) کی جانب مائل نہ ہو ورنہ اعانت الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے۔

۳:۔ نماز پر قائم رہو، نیکیوں سے بدیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۴:۔ صبر اختیار کرو، محسنوں کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔

۵:۔ پچھلی قوموں میں صلحاء کی تعداد کم رہی ہے۔ اور ظالمین (ائمہ ضلالت اور کفار) نے ہمیشہ جرائم کی راہ اختیار کی ہے۔

مذکورہ بالا بیانات کے باہمی ربط اور نظام اور سابق مضمون سے ان کے تعلق کی نوعیت کو کھول دیا جائے تو مضمون یوں ہوگا کہ وعدہ الٰہی کے مطابق فتح ونصرت آجائے گی ایسی صورت میں اسباب نصرت پر استقامت اختیار کرو۔ اور سرکشی نہ کرو۔ معاملہ اس کے برعکس ہوگا یعنی اسباب نصرت فراموش کردیئے جائیں گے اور سرکشی کی راہ اختیار کرلی جائے گی تو خوف اندر جا بسا رہے گا۔ باہمی صفوں میں انتشار داخل ہو جائے گا۔ کیوں کہ تمہارے دماغوں میں یہ تصور آجائے گا کہ اب ہم بے نیاز ہوچکے ہیں۔ لہٰذا نماز، روزے اور بھلائیوں کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ یہ بے نیازی طغیانی اور سرکشی کی موجب ہوگی (ان الانسان لیطغیٰ ان رآہ استغنیٰ) مگر جلد ہی محسوس ہوگا لہٰذا بھلائیوں کو چھوڑ کر غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا لینا دور اور بری بات ہوگی۔ یہ دوست تمہارا ساتھ چھوڑ دے گا اور دوسری جانب تمہارے دشمن بھی (جنھوں نے دوست بنا رکھے) تمہاری مدد نہ کرسکیں گے خدانخواستہ اس طرح کی صورت حال پیدا ہوجائے تو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ ہمت، پروردگار کی وسیلہ نماز اور صبر کو اختیار کرو۔ اور حسن انجام کا یہی طور انتظار کرو کہ توبہ کے بعد نصرت کا مکمل یقین رہے اور یہ کہ ہلاکت صرف اسی کا مقدر ہے جو تائب نہ ہو۔ اسی طرح کی بات پچھلی قوموں میں بھی ہوچکی ہے۔ اس وقت صلحاء کی تعداد کم تھی اور خائنوں نے عیش کوشی اور جرائم کی راہ اختیار کی تھی ایسے ہی تمہارے اندر بھی صالحین کم اور خائنین زیادہ ہوں گے۔

(باقی آئندہ)

رسول اللہ کے کسی حکم اور کسی فرمان کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔

آیئے توبہ کریں اور نہ صرف اس قسم کی حرکتوں سے دور رہیں، بلکہ کوشش کریں کہ ہم کو زیادہ سے زیادہ رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کی اتباع کی توفیق ہو۔

(آمین)

لانبے خط کا فیشن

یہودیوں کا شعار ہے

(محمد نعیم ندوی)

ہم کیا تھے کیا ہو گئے؟ اب ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ جو بھی چیز مغرب میں نظر آئی بس ہم اس کی طرف لپکنے لگے ہیں۔ اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ ہم ہمارے ازلی دشمن اور مردود و رسوا قوم کا شعار ہے۔ ادھر کچھ عرصے سے نوجوان طبقہ میں لمبے لمبے خط کا فیشن بڑی سرعت کے ساتھ بڑھتا چلا جا رہا ہے، کیوں کہ اسکے کیا اسباب و محرکات ہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار باقی نہیں رہ گیا ہے۔ کہ اب تہذیب و ثقافت کا نمونہ اور آئیڈیل سینما کے ایکٹرس و ہیرو قرار پا گئے ہیں۔ وہ جب روپ میں نظر آ جائیں وہی تاس تقلید ہو اور نئی نسل کو کچھ انھیں سے الفت و محبت ہے۔ اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کسی ذلیل و رسوا قوم کا شعار ہے۔

یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ یہ لمبا خط دراصل یہودیوں کا شعار ہے جس کو آج ہمارے نوجوان محض شوق و تفریح میں اپنا رہے ہیں۔ یہودیوں نے اس لمبے خط کو اپنا شعار کیوں بنایا۔ ہر پڑھا لکھا شخص یہ جانتا ہے کہ ۵۸۶ قبل مسیح جب بخت نصر شاہ بابل نے یہودیوں کو اپنے ملک میں بسایا تو سوال پیدا ہوا کہ دونوں قوموں میں کوئی ظاہری فرق و امتیاز ہو جائے جیسے دونوں قوموں کے افراد پہچانے جا سکیں چنانچہ یہودیوں نے از خود بادشاہ کے حکم سے اپنے خط بڑھا لئے کہ اس سے یہودی پہچانا جا سکے۔ یہ خط کم و بیش چہرے تک ہوتا ہے۔ خصوصاً ان کا دیندار طبقہ اس کو اب بھی بڑھاتا ہے گویا یہودی ہونا برابر یہ ان کے لئے ضروری ہے اسی لئے پہلے عرب لمبے خط کا یہودی یا بے خط کا یہودی کہہ کر کسی شخص کی نشاندہی کرتے تھے گویا یہ معروف سی بات تھی۔

تھوڑے دن پہلے ہالی ووڈ میں جو امریکہ کا سینمائی شہر اور یہودی سینماؤں کا تجارتی مرکز ہے ایک فلم ایسی تیار ہوئی جس میں ایک یہودی نے مذہبی شخص کا پارٹ ادا کیا۔ اس میں اس کے خط کو لمبا دکھایا گیا۔ بس سینما کے پردے پر اس کا آنا تھا کشش کے لئے کافی تھا۔ مسلم نوجوانوں نے بھی بے تامل اسے اپنانا شروع کر دیا۔ غیروں میں اس رجحان کا بڑھنا تو چنداں تعجب خیز نہیں لیکن ہمارے مسلم نوجوانوں کا خصوصاً عربوں کا جوان سے برسرپیکار ہیں ان یہودیوں کا شعار اختیار کرنا بڑے نازیبا اور خطرناک مستقبل کی غمازی کرتا ہو۔ مسجد میں ہمیں ایسے نوجوان بھی نظر آتے ہیں جن کو دیکھ کر یہودی ہونے کا شبہ ہوتا ہے کیا یہ غریب لمبے خط کی حقیقت سے آشنا ہیں۔ کیا انہیں یہ احساس نہیں کہ وہ یہودیوں کے فریب کا کس آسانی سے شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک وہ یہودی نوجوان ہیں کہ اپنے شعار کو پھیلانے کے کوشاں ہیں ایک ہم ہیں کہ اپنا سرمایہ کھو کر ادعاہی تو بھی و فکری صلاحیتوں کو مٹا کر ان کے دام فریب میں پھنستے جا رہے ہیں۔

ایک اہم اعلان

دیدوں میں آنحضور صلعم کی مفصل پیشگوئی

ماہنامہ انوار الاسلام میں دیکھئے

ماہنامہ انوار اسلام آٹھ سال سے ابو محمد امام الدین رامنگری کی نگرانی میں شائع ہو رہا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کی صداقت و حقانیت اور دین اسلام کے اعتراضات کے رد و جواب میں انوار اسلام کو انفرادی امتیاز حاصل ہے۔

جنوری کے شمارے سے چاروں وید میں آنحضور کی پیشگوئی کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے اور ساتھ ہی ایک گستاخ آریہ کی کتاب قرآن کی دھارمک آئینہ کا اور دو جواب بھی شائع ہو رہا ہے۔ سنی آرڈر سے پانچ روپئے سالانہ بھیج کر انوار اسلام کے خریدار بنئے اور براہ اسلام کے مفاد کی دعوت و تبلیغ کے ... معیاری مضامین پڑھئے۔ ہر جگہ ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔

منیجر انوار الاسلام ... رام نگر بنارس

کوائف دار العلوم

(محمد عبد السمیع ندوی)

بحمد اللہ کہ دار العلوم میں تعلیمی مشغولیت اپنے شباب پر ہے اس مرتبہ درس کے اوقات کے علاوہ ترجمہ قرآن کا سلسلہ دار العلوم کی مسجد میں دو شنبہ اور جمعرات کو بھی جاری ہو گیا ہے جس میں تقریباً سب ہی طلبہ دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء مہمان خانہ میں تشریف فرما رہے۔ دن کے دوسرے حصوں میں دوسری علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ بعد نماز مغرب درجات ہفتم ہشتم اور فضیلت کے طلبہ کو حضرت مولانا نے درس بھی دیا۔ حضرت مولانا کے اس درس میں طلبہ کا خاصا ہجوم ہوتا رہا اور زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی کوشش کرتے رہے اسی درمیان میں طلبہ کے دو اجتماعات میں حضرت مولانا مدظلہ کی دو اہم تقریریں بھی ہوئیں۔

دار العلوم میں سہ ماہی امتحانات کا سلسلہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ سے انشاء اللہ شروع ہوگا۔

دار العلوم کی عمارت کی مرمت و اصلاح کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ چھتوں کی مرمت کرائی گئی جہاں جہاں شکستگی کے آثار پائے گئے وہاں وہاں پلاسٹر کرایا گیا۔ کمروں اور برآمدوں میں سفیدی کرائی گئی۔ اب کام بالائی منزل پر ہو رہا ہے۔ شبلی ہوسٹل کی پشت پر باؤنڈری کی دیوار کا کچھ حصہ کجی اور نمی کی وجہ سے منہدم ہو گیا ہے اس کی بھی مرمت ہو رہی ہے۔

دار الاقامہ سلیمانیہ میں بھی بعض حصوں کی تکمیل ہو رہی ہے۔

مسجد کی توسیع کا خیال عرصہ دراز سے ہے اور اس کی ضرورت کا اظہار ان صفحات پر بار بار کیا جا چکا ہے۔ ضروری کام کا آغاز کرنے کے لئے کارپوریشن میں درخواست گزار دی گئی ہے۔

ادھر عرصہ سے دار العلوم کی تعمیر کی جانب احباب و مخلصین کی توجہ نہیں ہے نتیجتاً التوا کے جو کچھ آ گیا وہ آ گیا ورنہ زیادہ تر کام قرض پر چل رہا ہے دار العلوم کی تکمیل بھی قرض لے کر ہی کی گئی اور دوسرے ضروری اور اہم کاموں پر بھی قرض لے کر ہی صرف کرنا پڑ رہا ہے۔

مولانا محمد ہاشم صاحب بھی دوبارہ گجرات کے علاقہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ مولوی حکیم نصیر الدین صاحب غازی پور بلیا کے دورہ پر ہیں۔ مولوی عبد الرشید صاحب الہ آباد کے دورے سے فارغ ہو کر واپس آ گئے ہیں اور اب رائے بریلی، پرتاب گڑھ کے دورے پر جائیں گے۔ ان حلقوں کے احباب و مخلصین سے پیش از پیش تعاون کی استدعا ہے۔

مراسلہ

مکرمی جناب اڈیٹر صاحب تعمیر حیات لکھنؤ۔ تسلیم۔ قومی آواز مورخہ ۱۵ جنوری۔ مسلم شعور کا ارتقاء کے تحت اداریہ نویس کی حسب ذیل عبارت کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

"دوسرا معاملہ پیچھے فتووں کا ... کے دور میں مولانا آزاد اور مولانا مدنی کے خلاف گستاخانہ احتجاج ہوئے لیکن اس زمانہ میں قومی آواز کے اڈیٹر کے خلاف ابھی حال میں فتویٰ دیا گیا جس میں مولانا عبد الماجد دریابادی، فرنگی محل اور ندوہ شامل تھے اور فتویٰ کو اشتہار کی شکل میں تقسیم کیا گیا۔" فرنگی محل کی طرف سے مودبانہ عرض ہے کہ فرنگی محل سے نہ اڈیٹر قومی آواز کے خلاف فتویٰ دیا گیا نہ اشتہار کی شکل میں شائع کرایا گیا۔ اگر قومی آواز میں فرنگی محل کا فتویٰ موجود ہو تو براہ کرم استفتاء اور فتویٰ لفظ بلفظ شائع فرما کر صحافتی دیانت کا حق ادا کیا جائے۔

محمد ہاشم فرنگی محلی لکھنؤ

مستقل عنوان:-

ذرا یہ بھی سنئے...

محمد کلیم اللہ خاں

عصر کا وقت تھا۔ نماز کے لئے محلہ کی مسجد میں پہونچا حسب معمول مسجد کے چند بوڑھے موجود تھے ان کے علاوہ کسے فرصت کہ وہ منادی حق کی آواز پر لبیک کہے۔ اکبر نے سچ کہا ہے ؎

کونسل میں سب سیٹ ہیں مسجد میں فقط ہیں

جماعت شروع ہوئی چند افراد اور درمیان میں آکر کوئی ہمارے شریک ہو گئے۔ سلام پھیر کر میں نے بائیں طرف دیکھا تو ایک صاحب پر نظر پڑی جو نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہنے ہوئے تھے اور سر پر رومال باندھے ہوئے لیکن نہایت خشوع سے تسبیحات پڑھ رہے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی۔ حیرت اس بات پر نہیں تھی کہ ایک فیشن ایبل شخص نماز میں موجود تھا بلکہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ میرے والد صاحب کے دوست رضی تھے میں نے رضی صاحب کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا، وہ نماز کو محض جاہلی زمانہ کی ایک فرسودہ رسم سمجھتے تھے۔ قرآن مجید کو معاذ اللہ ایک آؤٹ آف ڈیٹ کتاب کہتے تھے اور آخرت کے سرے سے قائل ہی نہیں تھے وہی رضی صاحب آج جماعت میں موجود تھے۔ مجھے ہی حیرت نہیں ہوئی بلکہ والد صاحب بھی رضی صاحب کو مسجد میں دیکھ کر حیرت و استعجاب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ دعا سے فارغ ہوتے ہی والد صاحب نے رضی صاحب سے بڑھ کر مصافحہ کیا اور مسرت سے گلے لگا لیا اور گھر چلنے کا اصرار کیا۔

والد صاحب اور وہ باتیں کرتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور میں ان کے پیچھے یہ سوچتا چل رہا تھا کہ اس شخص کی زندگی میں کیا واقعی انقلاب آیا ہے۔ ان کی زندگی بالکل لاابالی تھی۔ طرح طرح کی رنگ رلیاں منانا ان کا روز کا مشغلہ تھا، منھ کو بادہ ناب سے کبھی خشک نہ ہوا تھا۔ شادی بھی سول میرج تھی۔

چائے پینے کے درمیان رضی صاحب نے بتایا کہ واقعی ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا ہے انھوں نے اپنی گذشتہ روش کو بدل دیا ہے۔ اور اب بندگی و اطاعت والی زندگی گزار رہے ہیں۔ آخرت والی زندگی اور یوم حساب کا خوف ان پر غالب ہے۔ جماعت کی نماز کا اہتمام کرتے ہیں جب گھر سے چلتے ہیں تو سوٹ پہننے سے پہلے وضو کر لیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے کبھی اپنے سوٹ کی کریز کبھی خراب نہ ہونے دی لیکن اب کریز نماز میں خراب ہوتی ہے۔ شاید اس طرح زندگی میں پڑی سلوٹیں دور ہو جائیں۔

والد صاحب کے اصرار پر انھوں نے اپنی کایا پلٹ ہونے کی وجہ بتائی۔ کہنے لگے کہ میرے بڑے بھائی وصی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے گذشتہ جاڑوں میں میرے یہاں مہمان آئے ہوئے تھے۔ ایک روز دوپہر کے وقت اپنے ایک دوست کو لینے اسٹیشن گئے ہوئے تھے گاڑی کچھ لیٹ تھی۔ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے اتنے میں ان پر قلبی دورہ پڑا۔ گھبرا کر پانی مانگا اور میرا ٹیلیفون نمبر بتانے کے لئے اپنی ڈائری نکالی۔ مگر موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ ٹیلیفون نمبر بتا سکیں یا مانگا ہوا پانی پی سکیں۔

میں اور میری بیوی اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے مہمان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ میری بیوی نے اس روز بہت زور دار میک اپ کیا تھا اور سرخ ساڑی اور بلاؤز زیب تن کئے ہوئے تھا۔ میں بھی ایک اچھا نفیس اور گرم سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھا۔ باورچی خانہ سے لذیذ کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ ہر آہٹ پر ہم دونوں کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میری بیوی اٹھلاتی ہوئی اٹھیں بڑے انداز سے ریسیور اٹھایا اور بار ایک آواز میں کہا "ہیلو!" ذرا دیر میں ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا۔ منھ سے چیخ نکلی اور بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا تو معلوم ہوا کہ بھائی صاحب پر قلبی دورہ پڑا ہے۔

میرے بھی ہاتھ پیر پھول گئے کسی طرح اپنے کو سنبھالا اور موٹر میں بیٹھ کر اسٹیشن پہونچا۔ وہاں ویٹنگ روم کی میز پر بھائی صاحب کی لاش پڑی تھی اور چھ سات آدمی گھیرے کھڑے تھے۔ کھچڑی بال عجیب انداز سے ماتھے پر بکھرے ہوئے، جسم پر نیلے رنگ کا سوٹ اس سے میچ کرتی ہوئی گلے میں ٹائی اور پاؤں میں موزے، سلیٹ کی طرح جسم سے آ رہی تھی مگر سب کچھ بیکار تھا۔ وہ روح پرواز کر چکی تھی جس کا واپس آنا ناممکن۔ اب نہ وہ وصی صاحب تھے نہ کسی کے بھائی صاحب تھے، نہ کسی کے باپ تھے، نہ کسی کے شوہر تھے، نہ ڈپٹی صاحب تھے، بلکہ ایک لاش تھے صرف ایک لاش۔ انسان کا یہ انجام!

میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا اور سر چکرانے لگا۔

بھائی صاحب کے انجام میں مجھے اپنا حشر نظر آ رہا تھا اور ان کی لاش میرے لئے ایک آئینہ بن گئی جس میں اپنی گذشتہ زندگی بھی دیکھ رہا تھا اور اپنا آئندہ انجام بھی۔ یہ حادثہ میری غافلانہ زندگی پر بجلی بن کر گرا۔ میرے دماغ و دل پر بھرپور ضرب پڑی۔ میں تباہی کے گڑھے پر پہونچ چکا تھا عین وقت پر اس حادثہ نے مجھے بچا لیا۔.......

میں سوچنے لگا ہم سب دوسروں کی موت سے ایسی ہی عبرت لیا کریں اور ہمیں اپنی موت نظر آ جایا کرے۔

> یہ مضمون ۲۵ اگست ۱۹۷۰ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا لیکن طباعت کی خرابی کی وجہ سے قارئین اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے اسی لئے اس کو تصحیح و اہتمام کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ مضامین آپ کو پسند ہے تو اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں
>
> (ادارہ)

۲۰۰۰ء کی دنیا

امریکا والے اپنے بے فکرے پن کے لئے عالمی شہرت رکھتے ہیں ایک مقام ... میں وسط فروری میں ۱۴ بے فکروں (جو بالآخر بڑھتے بڑھتے ۱۸ تک پہنچ گئے) نے ایک ہوٹل کے چار کمرے لیکر یہ تجربہ کرنا چاہا کہ ۲۰۰۰ء میں کیونکر گزرے گی اور ایک تقریب اس کی منا ڈالی ۵۰ گھنٹے کے اندر نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بچی ایک ۳ سالہ ماں تو شور اور دھوئیں کی شدت کو ناقابل برداشت پا کر نکل بھاگی اور ایک ۱۵ سالہ لڑکا اپنے گھر والوں کے اصرار پر ایک نوجوان لڑکی اپنے آشنا کی ترغیب اور ایک عورت استفراغ میں مبتلا ہو کر ...... کئی شکایتیں کھانا نہ ملنے کی پہنچیں، اور دھوئیں، شور، عدم تخلیہ اور ہر طرح کی مادی تکلیفوں کی متعدد شکائتیں پہنچیں تجربہ کرنے والوں میں پانچ لڑکیاں نکلیں اور ان کی مائیں بھی۔

تجربہ خوب رہا۔ اور اس نے یہ تو ثابت کر ہی دیا کہ ۳۰ سال بعد مزید ترقی یافتہ دنیا ۲۰۰۰ء میں داخلوں کو اس کا کنوں میں انہیں الجھنوں اور تکلیفوں ہی کا قدم کچھ آگے بڑھا چکے گی! ــ رہی مذہب بعد اخلاق کی دنیا تو ابھی اسے فرصت و تجربہ کے خورد بینی قابل توجہ نہیں سمجھ سکی ہے!

(صدق جدید لکھنؤ)

محمد الحسنی اڈیٹر و پرنٹر و پبلشر نے ... پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا۔